آل عمران

بِسۡمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحۡمَـٰنِ ٱلرَّحِيمِ

سورت کا تعارف

اِس سورۂ مبارکہ کا مشہور نام آلِ عمران ہے۔ یہ اِس سورت کا عنوان نہیں بلکہ صرف ایک نام ہے یعنی وہ سورت جس میں آلِ عمران کے الفاظ آئے ہیں۔ یہ ایک مدنی سورت ہے جو دو سو آیات پر مشتمل ہے اور سورۂ انفال کے بعد اور جنگِ اُحد کے متصل زمانے میں نازل ہوئی ہے، (ا۔ ل۔م) کے تین حروف سے شروع ہوتی ہے اور اِس کے تین حصے کئے جاسکتے ہیں۔ پہلا حصہ شروع سے لے کر آیت سو(۱۰۰) تک، دوسرا حصہ آیت ایک سو ایک (۱۰۱) سے ایک سو اُنیس (۱۱۹) تک اور تیسرا حصہ آیت ایک سو بیس (۱۲۰) سے لے کر سورت کے آخر تک ہے۔ سورت کے تمام اساسی موضوعات کا خلاصہ آخری آیت میں بیان کیا گیا ہے جو کچھ اِس طرح ہے کہ پہلے حصے کا عنوان صبر اور مصابرہ ہے۔ دوسرے حصے کا عنوان ربط اور مرابطہ ہے جبکہ تیسرے حصے کا عنوان تقویٰ ہے اور یہی تین چیزیں فلاح اور کامیابی کی ضمانت قرار دی گئی ہیں۔ سورۂ بقرہ کے آخر میں مسلمانوں کی یہ دعا آئی تھی کہ: اے ہمارے رب ہمیں کافروں پر غلبہ عطا فرما! اِس سورت میں اُس دعا کو عملی جامہ پہنانے کا راستہ اور اسباب بتائے گئے ہیں اور وہ یہ کہ: تم صبر، ربط اور تقویٰ کی بدولت دشمن پر فتح پاسکتے ہو۔

مجھے یہ سورت حفظ کئے ہوئے بیس سال سے کچھ زیادہ ہی عرصہ گزرا ہے اور حفظ کے دوران اور اُس کے بعد اِس کی تلاوت کا بہت اہتمام کرتا رہا ہوں۔ معمولاً کوئی بھی سورت حفظ کرنے کے بعد میں فجر کی نماز میں اُس کی تلاوت کرتا ہوں۔ آج جس حصے کی تلاوت ہو جاتی ہے اُس کی باری تقریباً دو مہینے بعد دوبارہ آجاتی ہے مگر آل عمران کی تلاوت دوسری سورتوں سے زیادہ کرتا رہا ہوں اور دوسری نمازوں میں بھی اِس کی آیات کی تلاوت کرتا رہتا ہوں۔ اِس طرح یہ خود بخود ایک عادت سی بن گئی ہے کہ نماز کے دوران کسی ایک آیت کے بارے میں کوئی سوال ذہن میں اُبھرتا ہے اور پھر اُس کے جواب کے لئے بہت سی تفاسیر دیکھنی پڑجاتی ہیں۔ اِس سورت کی تلاوت کے دوران میرے سامنے ہر مرتبہ اِس کے نئے نئے ابعاد اور ابواب کھلتے رہے ہیں اور ہر مرتبہ اِس کے مطالب سمجھنے میں مزید پیش رفت ہوتی رہی ہے۔ مگر اب اتنے عرصے بعد اِس مبارک سورت کے حسن، اِس کی آیات کے درمیان موجود دلکش اور گہرے ربط، اِس کے مطالب کی گہرائی اور وسعت اور اِس کی عظمت کے بارے میں جو احساس پیدا ہوا ہے وہ اِس تمام لمبے عرصے میں ناپید تھا۔ معلوم نہیں کہ میرا قلم میرے اِس احساس کی تصویر کشی میں میری کتنی مدد کرسکے گا۔

تھوڑے سے غور سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اِس سورت کے پہلے حصے میں دو بنیادی موضوعات چھیڑے گئے ہیں۔ پہلی آیت سے لے کر تیسویں آیت تک، کتاب پر ایمان کیسا ہو اور اُس کے تقاضے کیا ہیں؛ چھیڑا گیا ہے اور اِس کے تحت درج ذیل مطالب بیان کئے گئے ہیں:

- اللہ تعالیٰ قیوم (مدبر اور منتظم) ہے۔ اپنی اِس صفت کی بدولت اُس نے زمانے کے مختلف ادوار میں انسانوں کی رہنمائی کے لئے کتابیں بھیجیں۔ یہ کتابیں انسانوں کی رہنمائی بھی کرتی ہیں اور حق اور باطل، اچھے اور بُرے اور مفید اور مضر کے درمیان تفریق کا ذریعہ بھی ہیں۔ انسان کو ہمیشہ ایک "رہنما" اور "فرقان" کی ضرورت رہتی ہے، وہ خود اور صرف اپنی عقل کے سہارے، نہ سیدھا راستہ پہچان سکتا ہے، اور نہ خوب و زشت میں فرق کر سکتا ہے۔ اسی لئے (قیوم) اللہ نے زمانے کے ہر پڑاؤ پر (رہنما اور فرقان) کتابیں بھیجیں۔
- اُس شخص کی عاقبت خطرناک بتائی گئی ہے جو اللہ کی آیات کا انکار کرتا ہے۔ اُس کے کفر و انکار کا انجام اللہ کے شدید عذاب کے علاوہ کچھ نہیں ہو سکتا اِس لئے کہ جس چیز کے بغیر نہ صراط مستقیم پایا جا سکتا ہے اور نہ ہی خوب و زشت اور مفید و مضر میں تمیز کی جا سکتی ہے اُس کا وہ انکار کر دیتا ہے۔ پس جو اِس عالم کے قیوم رب کی رہنمائیوں سے منہ موڑ لیتا ہے اُسے عزیز' اللہ کے انتقام سے تو دوچار ہونا ہی ہے۔
- یہ کتاب اُس ذات کی طرف سے بھیجی گئی ہے جو انسان کی فطرت اور بناوٹ سے باخبر ہے اور اُس کے ماحول میں موجود زمین و آسمان کی ہر چیز کو بھی خوب جانتی ہے۔ اِس دلیل کی بنیاد پر اِس عظیم حقیقت کی وضاحت کی گئی ہے کہ انسان کو رہنما اور فرقان صرف وہی ہستی فراہم کر سکتی ہے جو انسان کے نفس کے بھی تمام پہلو جانتی ہو، اُس کے ماحول کو بھی اور اُن تمام اشیاء کو بھی جو اُسے احاطہ کئے ہوئے ہیں اور اُس کے ساتھ کسی نہ کسی شکل میں متعلق ہیں۔
- اللہ کی کتاب دو قسم کی آیات پر مشتمل ہے۔ ایک وہ آیات ہیں جو ظاہر اور انسان کو معلوم اشیاء کے بارے میں بحث کرتی ہیں اور دوسری وہ جو انسان کی نظروں سے اوجھل اشیاء کی وضاحت کرتی ہیں۔ پہلی قسم کو محکم آیات اور دوسری کو متشابہات کہا گیا ہے۔ محکم آیات وہ ہیں جن کی بحث کا موضوع بھی ظاہر اشیاء ہیں اور اُن کے لئے استعمال کئے گئے الفاظ بھی وہی ہیں جو انسان اُنہی چیزوں کے لئے استعمال کرتا ہے۔ جبکہ متشابہات اُن آیات کو کہا گیا ہے جن میں تشبیہ کے فن سے استفادہ کیا گیا ہے۔ اِن کی بحث کا موضوع انسان کی نظروں سے اوجھل اشیاء ہیں اور اُن کے تعارف کے لئے الفاظ بھی ایسے استعمال کئے گئے ہیں جو دراصل دوسری ظاہر چیزوں کے لئے وضع کئے گئے ہیں۔ پھر متشابہات کے حوالے سے یہ سورت لوگوں کو دو گروہوں میں تقسیم کرتی ہے: الراسخون فی العلم: محکم اور خالص و پاک علم والے: یہ وہ لوگ ہیں جو متشابہات کے مطلب پر کسی شک و تردد کے بغیر ایمان لاتے ہیں اور اُنہیں اللہ کی طرف سے

نازل کردہ سمجھتے ہیں۔ دوسرا وہ گروہ جن کے دلوں میں کجی ہے، وہ یا تو فتنے کی تلاش میں متشابہات کو بحث کا موضوع بناتے ہیں اور یا یہ چاہتے ہیں کہ اُن کی تاویل کو سمجھ جائیں، حالانکہ اُن کی تاویل کو اللہ کے علاوہ کوئی نہیں جان سکتا۔

- الٰہی کتاب کا انکار کرنے والوں کا انجام انتہائی خراب ہے، نہ مال و دولت اُنہیں عذاب سے بچا سکے گی اور نہ ہی دوست احباب اور رشتہ دار۔ اِس حقیقت کو سمجھانے کے لئے مصر کے فرعون اور اُس سے پہلے گزرے ہوئے دوسرے فرعونوں کے بُرے انجام اور خراب عاقبت کو نمونے کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ اسی طرح بدر کی لڑائی کو سامنے کی ایک قریب مثال قرار دیا گیا ہے جس میں دشمن کی تعداد مسلمانوں سے کم از کم دگنی تھی مگر اِس کے باوجود وہ شکست سے دوچار ہوا۔
- دنیوی مال و دولت نہ تو انسان کا ہدف ہے اور نہ ہی کامیابی کی کسوٹی بلکہ یہ تو محض ایک متاع ہے، اِسی کو معیار جاننا اور اِسی کی بنیاد پر کسی کی عزت و ذلت، کامیابی و ناکامی اور سعادت و شقاوت کا فیصلہ کرنا ایک غیر حقیقت پسندانہ اور عامیانہ سوچ ہے۔ تمہیں بہت جلد معلوم ہو جائے گا کہ اللہ کے نزدیک اُس شخص کا مقام کتنا بلند ہے جس کو تم اِس لئے کمتر سمجھتے تھے کہ وہ اپنے ملک سے نکالا گیا ہے، مال و دولت سے محروم ہے، نہ بنگلوں اور لشکروں کا مالک ہے اور نہ ہی سونے چاندی کے خزانے رکھتا ہے۔
- اللہ کے علاوہ دوسرا کوئی معبود نہیں ہے اور نہ اسلام کے علاوہ دوسرا کوئی مقبول دین موجود ہے۔ جو کوئی اللہ تعالیٰ کا انکار کرتا ہے اور دین کی مخالفت پر کمربستہ ہے؛ اللہ اُس کے تمام اعمال حبط اور اُس کی جدوجہد بے ثمر کر دے گا۔
- اہلِ کتاب کے علماء بے عمل تھے اور اُنہوں نے اللہ کی کتاب کو پس پشت ڈال دیا تھا، اپنے عوام کو کہتے تھے: اللہ تعالیٰ نے یہود کو دوسرے لوگوں کے ساتھ ہر قسم کی جفا اور بُرے سلوک کی اجازت دے رکھی ہے اور یہ کہ وہ کسی ناجائز معاملے پر اُن کا مواخذہ نہیں کرے گا۔ ایسی باتوں کو اُنہوں نے مذہب کا رنگ دے رکھا تھا اور کہتے تھے: یہ بات اللہ کی کتاب میں لکھی ہے، یہ روایات میں آیا ہے، یہ پیغمبر کا قول ہے وغیرہ وغیرہ۔ اِن افتراآت سے وہ خود بھی دھوکے میں پڑ گئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔
- مسلمانوں کو کہا گیا ہے کہ: جس طرح دن اور رات اللہ کے ارادے سے اور ایک عظیم حکمت کے تحت آتے جاتے ہیں اور اِس کام میں اللہ تعالیٰ کے علاوہ اِس عالم کی کوئی طاقت کسی قسم کی دخل اندازی نہیں کر سکتی۔ اِسی طرح موت اور زندگی، اقتدار سے نوازنا یا محروم کرنا اور عزت اور ذلت کے فیصلے بھی فقط اللہ کے ارادے سے کچھ خاص سنن و ضوابط

کے تحت اور کسی خاص حکمت اور مصلحت کے تحت کئے جاتے ہیں۔ صرف مومنوں سے دوستی رکھو اور کافروں کی دوستی سے دور رہو، جو کوئی کافروں سے دوستی رکھتا ہے؛ جان لو کہ اُس نے اللہ سے اپنے رشتے قطع کر لئے۔

کتاب کی بحث کے بعد پیغمبروں کے بارے میں بحث شروع ہوتی ہے جس میں یہ وضاحت کی گئی ہے کہ انبیاء کون ہیں؟ اُن کی ذمہ داریاں کیا ہیں اور یہ کہ اُن کا مقام و منزلت کیا ہے؟ اِس بحث میں درج ذیل اساسی باتیں چھیڑی گئی ہیں:

- اللہ پر ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ اُس کے پیغمبروں کی اطاعت کی جائے۔
- یہ اللہ کی طرف سے مبعوث ہیں اور انسانوں کی ہدایت کے لئے منتخب کئے گئے ہیں۔
- دوسرے انسانوں کی طرح انسان ہیں مگر کچھ خاص انفرادیتوں اور خصوصیات کے ساتھ پیدا کئے گئے ہیں۔ اُن کی اِن صفات اور انفرادیتوں کی تشریح مریم، زکریا اور عیسیٰ علیہم السلام کے قصوں میں کی گئی ہے۔
- انبیاء اور اللہ کے صالح بندوں کے بارے میں یہ گمان کرنا کہ وہ غیب جانتے ہیں؛ ایک بہت بڑی گمراہی ہے۔ اسی طرح اُن کے بارے میں یہ گمان کرنا کہ اللہ تعالیٰ نے اُنہیں اپنے اقتدار میں شریک کیا ہے، بعض کاموں کے اختیارات اُنہیں تفویض کر رکھے ہیں اور وہ لوگوں کی حاجتیں پوری کر سکتے ہیں؛ ایک عظیم غلطی ہے۔ تم جانتے ہو کہ یہی دو غلط گمان ہر مشرکانہ مذہب کی بنیاد ہیں۔ اِنہی سے بتوں کی عبادت بھی پھوٹتی ہے اور قبروں کی بھی۔
- پیغمبروں کے معجزے اُن کی ذاتی کارکردگی نہیں ہے، یہ اللہ کے کام ہیں اور انبیاء کی رسالت کی نشانیاں ہیں۔
- پیغمبروں کی دعوت کا خلاصہ یہ ہے کہ صرف ایک اللہ کی عبادت کی جائے، اِسی کو وہ صراطِ مستقیم کہتے ہیں اور اِسی کی طرف دعوت دیتے ہیں۔
- تمام پیغمبر علیہم السلام ایک دوسرے کی تائید اور پشت پناہی کرتے ہیں، موجود پیغمبر پچھلے کی تصدیق اور آنے والے کی خوشخبری دیتا ہے۔
- پیغمبروں کی ایک اساسی ذمہ داری یہ ہے کہ لوگوں کے کندھوں سے اضافی بوجھ اُتار دیں اور اُن کے ہاتھ پیروں میں ڈالی گئی زنجیریں توڑ دیں۔ اضافی بوجھ وہ ہیں جو دھوکے باز مذہبی لیڈروں نے اپنی طرف سے لوگوں پر لازم کر رکھے ہیں اور اُنہیں دین اور مذہب کا لبادہ اُڑھا دیا ہے۔ اِسی طرح زنجیروں سے مراد وہ اضافی اور جعلی حدود و قیود ہیں جو اُنہوں نے وضع تو اپنی طرف سے کی ہیں مگر اُنہیں رنگ مذہب کا دے رکھا ہے۔

اِس کے بعد عیسیٰ علیہ السلام کے قصے کا وہ حصہ بیان کیا جاتا ہے جب آپؑ نے اپنے ساتھیوں سے کہا: میں اللہ کی طرف جاتا ہوں، اِس سفر میں میرا ساتھ دینے کے لئے کون تیار ہے؟ اِس سے اللہ تعالیٰ ایک طرف تو یہ حقیقت بیان فرماتا ہے کہ اپنی

دعوت کے آخری مرحلے میں عیسیٰ علیہ السلام جہاد کے لئے کمربستہ ہو گئے تھے۔ آپؑ نے اپنا ساتھ دینے والوں کو کہا کہ اِس جہاد میں تم میں سے کون میری مدد کرنے اور ساتھ چلنے پر تیار ہے؟ دوسری طرف ہمیں یہ بتایا جارہا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام جیسا ایک پیغمبر اپنے تمام معجزوں کے ہوتے ہوئے بھی تحریک کا کام کرنے کے لئے ساتھ دینے والوں اور انصار کی تلاش میں ہے۔ اُن چند مخصوص کاموں کے علاوہ باقی کام معجزوں سے انجام نہیں دے سکتا بلکہ دوسرے تمام کام وہ اللہ کی عام اور رائج سنتوں کے مطابق انجام دیتا ہے نہ کہ خارقِ عادت طریقوں سے۔ ساتھ ہی پیغمبر پر ایمان لانے والوں کی صفات کا بھی تعارف کرایا گیا ہے کہ پُرخلوص اور حقیقی ایماندار ایسے ہوتے ہیں جیسے عیسیٰ علیہ السلام کے مخلص ساتھی۔ اُن کی چند باتیں بھی نقل کی گئی ہیں اور وہ یہ ہیں کہ: تمہارا (یعنی عیسیٰ علیہ السلام کا) ساتھ دینا در حقیقت اللہ کا ساتھ دینا ہے اور ہم اِس کے لئے تیار ہیں۔ ہم کتاب پر ایمان رکھتے ہیں، پیغمبر کی متابعت کرتے ہیں اور ہماری آرزو فقط اتنی ہی ہے کہ ہمارے نام شاہدوں کی فہرست میں شامل ہوں۔

اِس کے بعد اہلِ کتاب کے متعدد شنیع اور قبیح افعال کا بیان ہے جن میں، مذہب کو قومی رنگ دینا، تحریف شدہ مذہب کے لئے جعلی روایات سے استناد اور اپنے غلط عقائد کا پچھلے پیغمبروں کی طرف انتساب شامل ہیں۔ لوگوں کو بہکانے اور گمراہ کرنے کی کوششیں، کتمانِ حق، منافقت، امانت میں خیانت، دین فروشی، وعدہ خلافی، جھوٹی قسمیں، اللہ کی کتاب میں تحریف، جھوٹے فتوے، حلال کو حرام کرنا اور اِسے تقویٰ کی نشانی سمجھنا اور شرک کرنا بھی اُن کے قبیح اعمال کا حصہ گنایا گیا ہے۔ نیز اُن کا یہ سارے کام نہ صرف دین و مذہب کے نام سے کرنا بلکہ اِنہیں پیغمبروں کی طرف منسوب کرنا۔

اُنہیں کہا گیا ہے کہ: اللہ تعالیٰ کا محبوب بندہ وہ ہے جو اُس کی راہ میں قربانی کے لئے تیار ہو۔ معمول کی روزمرہ استعمال کی چیزوں کی قربانی نہیں بلکہ اُن چیزوں کی قربانی جو انتہائی عزیز ہوتی ہیں۔ اِس کے متصلاً بعد فرمایا گیا ہے کہ: مذہبی انحراف دراصل بدعت سے شروع ہوتا ہے یعنی دین میں دخل اندازی کرنے سے۔ اور وہ بھی کچھ کم کرنے سے نہیں بلکہ اپنی طرف سے کچھ بڑھانے سے، حلال کو حرام قرار دینے سے اور تقویٰ کے نام پر دین میں زیادتی کرنے سے۔ پیغمبر علیہ السلام پر بنی اسرائیل کے دھوکے باز مذہبی اکابرین کا اعتراض یہ نہیں تھا کہ حلال چیزوں کو حرام کیوں قرار دیتا ہے بلکہ اُن کا اعتراض یہ تھا کہ حرام چیزوں کو کیوں حلال قرار دے رہا ہے؟ ہم کیوں کر اِسے ایک پیغمبر یا مذہبی لیڈر مان لیں کہ اِس کا تقویٰ تو ہمارے برابر بھی نہیں ہے؟ ذرا دیکھیں تو سہی! یہ کیسا پیغمبر ہے جو اُن چیزوں کو حلال قرار دے رہا ہے جن کو ہم بھی حرام جانتے ہیں، حرام سے بچنے کا تو ہم بھی اِس سے زیادہ اہتمام کرنے والے ہیں اور یہ کہ یہ تقویٰ ہمارے اندر ہمارے جد ابراہیم علیہ السلام اور ہمارے باپ یعقوب علیہ السلام سے رائج چلا آرہا ہے۔ اللہ تعالیٰ اُن کے اِس اعتراض اور اُس کے معاً بعد، تحویل قبلہ پر اُن کے اعتراض کا جواب دے کر اِس بحث کے اختتام پر مومنوں سے فرماتا ہے: اہل کتاب کے تمام فرقے کسی نہ کسی لحاظ سے، حقیقی دین سے ہٹے ہوئے ہیں۔ اگر تم نے اِن کے کسی بھی فرقے کی بات مان لی اور کسی بھی بات میں

اِن کی پیروی کی تواِن کی طرح ہو جاؤ گے اور ایمان لانے کے بعد کافر بن جاؤ گے۔ اِن کی تمام کوششیں یہی ہیں کہ تمہیں ایمان سے پھرا لے جائیں۔

آیت نمبر ایک سو ایک (١٠١) سے سورت کے دوسرے حصے کا آغاز ہوتا ہے جو آیت نمبر ایک سو اُنیس (١١٩) پر ختم ہوتا ہے۔ اِس حصے کا عنوان ربط و مرابطہ ہے اور اِس میں چند بنیادی رہنمائیاں کی گئی ہیں۔ وہ یہ کہ: اللہ کے ساتھ اپنا تعلق مضبوط رکھو۔ تمہیں خوف صرف اللہ کا ہونا چاہیے اور اُن چیزوں سے دور رہو جو اللہ کی ناراضگی کا سبب بن سکتی ہیں۔ تمہیں اللہ تعالیٰ کا ویسا ہی خوف ہونا چاہیے جیسا اُس کے ساتھ زیبا ہے اور تمہیں ہمیشہ اور زندگی کے آخری لمحے تک اللہ تعالیٰ کا منقاد رہنا چاہیے۔ جب تک زندگی ہے اسلام پر قائم رہ کر زندگی گزارو اور اسلام ہی پر رہتے ہوئے موت کو لبیک کہو، دین پر تمسک اختیار کرو، اختلاف اور تفرقے سے اجتناب کرو، خیر کی دعوت دو، معروف کا حکم دو، منکر کی راہ روکو اور اُن لوگوں کو اپنے قریب نہ لاؤ جو ایمان نہیں لاتے۔

آیت نمبر ایک سو بیس (١٢٠) سے اِس سورت کا تیسرا حصہ شروع ہوتا ہے جس میں تقویٰ کا نقشہ کھینچا گیا ہے اور اُس کی اہمیت سکھائی گئی ہے۔ ابتداء اِس بات سے کی گئی ہے کہ اگر تمہارے اندر صبر اور تقویٰ موجود ہے تو دشمن کی کوئی تدبیر، مکر، کید اور چال تمہیں کوئی ضرر اور نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ تمہارے تقویٰ کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ دشمن کی تمام بھاگ دوڑ، ہر چال اور ہر تدبیر اکارت کر دے گا اِس لئے کہ اللہ اُن کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ یہ ایک بہت بڑی بات اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑا وعدہ اور عظیم تسلی ہے اِس لئے اِس کے بعد کی تمام بحث اسی بات کے اثبات میں لائی گئی ہے۔ مگر ایسے حکیمانہ اسلوب میں کہ اِس کے ضمن میں بے شمار دوسری قیمتی رہنمائیاں بھی متقین کے سامنے رکھی گئی ہیں۔

اِس کے بعد اُحد اور بدر کے واقعات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اُن کے تناظر میں تقویٰ اور عدم تقویٰ کے انجام اور نتائج پر اُنگلی اُٹھائی جاتی ہے۔ کہا جا رہا ہے کہ جب بھی تم نے تقویٰ کا دامن تھامے رکھا، اللہ کی مدد سے کامیاب و سرفراز ہوئے اور جب بھی تقویٰ کے خلاف عمل پیرا ہوئے تو اللہ تعالیٰ کی مدد سے محروم ہوئے اور شکست سے دوچار ہوئے۔ بحث کے دوران تقویٰ اور متقیوں کی صفات بیان کی گئی ہیں خصوصاً ناکامی کے مراحل اور مصیبتوں اور مشکلات میں گھِر جانے کی صورت میں۔ آخر میں متقیوں کے نیک انجام کا ذکر ہوتا ہے اور اُس کے بعد اہلِ کتاب کا ایک گروہ (خاشعین للّٰہ) کے نام سے یاد کیا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ اُن کا اجر اُن کے رب کے پاس محفوظ ہے۔ سورت کے تمام مضامین اور مطالب کا خلاصہ آخری آیت میں دیا گیا ہے۔

اگر آپ اس مبارک سورت کے تمام وسیع، گہرے اور باعظمت مضامین کو سورت کی آخری آیت کی روشنی میں سمجھنا چاہیں تو درج ذیل نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں۔

اگر تم اللہ کی کتاب کی حقیقت سمجھ گئے، اُس پر ایمان لائے، اُس کی مرضی پر چلے، اُس کی رہنمائیوں پر چلتے ہوئے ہر لمحہ دائمی صبر کا دامن تھامے رہے، اللہ کے پیغمبروں کی حقیقت کو پہچان کر اُن پر ایمان لائے، اُن کے بارے میں غلط عقائد اور خیالات رکھنے سے اجتناب کیا، اعمال میں اُن کی پیروی کی اور اُن کی متابعت میں ہر لمحہ دائمی صبر پر کاربند رہے۔ اسی طرح اگر تم نے اللہ تعالیٰ سے اپنا تعلق مضبوط رکھا، ہمیشہ دین کے تمام اُمور میں دین کی تعلیمات پر سختی سے عمل پیرا رہے، آپس میں وحدت اور یگانگت رکھی، خوف صرف اللہ کا رکھا اور اُن چیزوں سے مجتنب رہے جن سے اللہ تعالیٰ نے منع کر رکھا ہے تو مطمئن رہو، تم دنیا کی کامیابی اور آخرت کی فلاح اور سعادت سے بہرہ مند ہوئے۔

اگر سورت کے مضامین پر غور کریں تو آپ دیکھ لیں گے کہ غالباً تمام سورت جنگِ اُحد کے بعد اور فتح مکہ سے کافی پہلے نازل ہوئی ہے۔ اُس وقت جب قریش ابھی مغلوب نہیں ہوئے تھے، یہود مدینہ میں موجود تھے اور ابھی اپنی شرارتوں میں لگے ہوئے تھے جبکہ مسیحی بھی ابھی اپنے اپنے علاقوں میں رہتے ہوئے آنے والے حوادث و واقعات کے منتظر تھے۔ اگرچہ بعض محترم مفسرین کے نزدیک اِس سورت کی ابتدائی تیس یا ساٹھ یا اسی یا نوے آیات فتح مکہ کے بعد نجران کے وفد کے آنے کے موقع پر نازل ہوئی ہیں مگر اسی حصے کی آیات نمبر ۱۰، ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۸، ۶۹ اور ۷۲ نہایت صراحت کے ساتھ وضاحت کرتی ہیں کہ یہ فتح مکہ سے بہت پہلے نازل ہوئی ہے۔ ایک ایسے وقت جب اہلِ کتاب ابھی ایک مخالف قوت کے طور پر موجود تھے اور خود مدینہ میں بھی اور مدینے کے باہر بھی، سازشوں میں مصروف اور شرارتوں پر آمادہ تھے۔ جبکہ فتح مکہ کے بعد اِن میں سے کوئی بھی کسی قابلِ ذکر قوت کے طور پر باقی نہیں رہا تھا۔

بِسۡمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحۡمَـٰنِ ٱلرَّحِيمِ

الٓمٓ ﴿١﴾ ٱللَّهُ لَآ إِلَـٰهَ إِلَّا هُوَ ٱلۡحَىُّ ٱلۡقَيُّومُ ﴿٢﴾ نَزَّلَ عَلَيۡكَ ٱلۡكِتَـٰبَ بِٱلۡحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيۡنَ يَدَيۡهِ وَأَنزَلَ ٱلتَّوۡرَٮٰةَ وَٱلۡإِنجِيلَ ﴿٣﴾ مِن قَبۡلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَأَنزَلَ ٱلۡفُرۡقَانَ‌ۗ إِنَّ ٱلَّذِينَ كَفَرُواْ بِـَٔايَـٰتِ ٱللَّهِ لَهُمۡ عَذَابٌ شَدِيدٌ‌ۗ وَٱللَّهُ عَزِيزٌ ذُو ٱنتِقَامٍ ﴿٤﴾

(۱)۔ ا ل م۔ (۲) اللہ وہ ذات ہے جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں، وہی زندہ اور قیوم (قائم رکھنے والا)۔ (۳) اُس نے تم پر یہ کتابِ برحق (حق لے کر آنے والی) نازل کی، اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی۔ (۴) اور اِس سے پہلے تورات اور انجیل نازل کی، پہلے لوگوں کے لئے رہنما؛ اور فرقان نازل کیا ہے، یقیناً جو الٰہی آیات کے کافر ہوئے ہیں اُن کے لئے شدید عذاب ہے اور اللہ عزتمند انتقام لینے والا ہے۔

(۱۔۴)۔ اللہ تعالیٰ اِس عالم کا انتظام اور دیکھ بھال اپنے اختیار میں رکھتا ہے۔ قیوم ہے یعنی ہر چیز میں نظم وضبط قائم رکھے ہوئے ہے، اُن کی تنظیم کرتا ہے اور ہر چیز کی قوامیت اُسی کی طرف سے ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ اُس نے اِس عالم کو اِس کی پیدائش کے بعد آزاد چھوڑ دیا ہو اور اب سارے کام خود بخود انجام پا رہے ہوں۔ اب جبکہ اُس نے اِس عالم کا انتظام براہِ راست اپنے ہاتھ میں رکھا ہے تو تم تو اِس عالم میں سب سے اشرف مخلوق ہو؛ پھر کیسے ممکن ہے کہ وہ قیوم ذات آپ کو مہمل چھوڑ دے اور آپ کی رہنمائی اور آپ کی زندگی کی تنظیم کا انتظام نہ کرے۔ قیوم خدا نے اپنی اِسی صفت کی بدولت تمہاری رہنمائی کے لئے کتاب بھیجی، تم پر قرآن نازل کیا اور اس سے پہلے تورات اور انجیل۔ یہ کتابیں نہ صرف تمہاری رہنمائی کرتی ہیں بلکہ حق و باطل، اچھے اور بُرے اور مفید و مضر کے درمیان تفریق کا ذریعہ بھی ہیں۔ چونکہ انسان کی زندگی مختصر ہوتی ہے اور عقل محدود؛ اِس لئے تم خود اور صرف اپنی عقل کی مدد سے نہ سیدھا راستہ پہچان سکتے ہو اور نہ اچھے بُرے میں تمیز کر سکتے ہو۔ تم اپنی اِس مختصر زندگی میں، اِس پُر پیچ اور وسیع عالم میں اپنے تجربے سے نہ تو سیدھے راستے کی تشخیص کر سکتے ہو اور نہ اپنی عقل کی مدد سے مفید اور مضر میں تمیز۔ اِس لئے تمہیں ایک رہنما اور فرقان کی ضرورت تھی، پس قیوم رب نے زمانے کے ہر پڑاؤ پر (رہنما اور فرقان) کتابیں بھیجیں۔

جو شخص اللہ کی آیات کا انکار کرتا ہے، اُس کے کفر اور انکار کا قطعی انجام اللہ کے عذاب کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔ یہ اس لئے کہ اِس نے اُس چیز کا انکار کیا ہے جس کے بغیر نہ سیدھا راستہ ڈھونڈا جا سکتا ہے اور نہ اچھا بُرے سے یا مفید مضر

سے الگ کیا جاسکتا ہے۔ اور یہ اِس لئے کہ جو کوئی اِس عالم کے قیوم مالک کی رہنمائیوں سے منہ موڑ لیتا ہے، لازم ہے کہ عزیز اور مقتدر خدا کے انتقام سے دوچار ہو۔

إِنَّ ٱللَّهَ لَا يَخْفَىٰ عَلَيْهِ شَىْءٌ فِى ٱلْأَرْضِ وَلَا فِى ٱلسَّمَآءِ ۝٥ هُوَ ٱلَّذِى يُصَوِّرُكُمْ فِى ٱلْأَرْحَامِ كَيْفَ يَشَآءُ ۚ لَآ إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ٱلْعَزِيزُ ٱلْحَكِيمُ ۝٦

(۵) یقیناً اللہ سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے، نہ زمین میں اور نہ آسمان میں۔ (۶) وہ وہی ذات ہے جو (ماؤں) کے رحم میں تمہاری اُسی طرح صورت گری کرتا ہے جس طرح وہ چاہتا ہے۔ سوائے اُس کے کہ وہ عزیز اور حکیم ہے دوسرا کوئی معبود نہیں۔

(۵-۶)۔ یہاں کتاب کے بارے میں چند بہت بنیادی باتیں کی گئی ہیں جن کے مطلب کو سمجھنا تھوڑے سے غور و فکر کا متقاضی ہے:

- انسان کے لئے قانون بنانا صرف اُس ذات کے لئے ممکن ہے جو انسان کی خلقت، بناوٹ اور فطرت کے تمام زاویوں اور اُس کے تمام فطری تقاضوں اور ضروریات کو جانتی ہو نیز انسان کے ماحول کی اُن تمام چیزوں کو بھی خوب سمجھتی ہو جنہوں نے اِس کا احاطہ کیا ہوا ہے اور کسی نہ کسی حوالے سے اِس سے متعلق ہیں۔ انسان کو بھی جانتی ہو اور انسان کی جائے قیام میں موجود ہر چیز کو بھی جانتی ہو۔ جو جانتی ہو کہ انسان کی ضروریات کیا ہیں، کون سی چیز اُس کے لئے مفید ہے اور کون سی مضر۔ اِس لئے کہ قانون میں انسان کو بتایا جاتا ہے کہ کونسا عمل اُس کے لئے جائز ہے اور کونسا ناجائز، کس چیز کا کھانا اُس کے لئے جائز اور مفید ہے اور کس چیز کا ناجائز اور مضر۔ روا، ناروا، جائز و ناجائز اور مفید اور مضر کا فیصلہ وہی ہستی کر سکتی ہے جو انسان کی فطرت و طبیعت کو بھی باریکی کے ساتھ جانتی ہو اور زمین پر موجود تمام اشیاء کی ماہیت سے بھی پوری طرح باخبر ہو اِس لئے کہ صرف وہی ذات جان سکتی ہے کہ کونسی چیز انسان کو نقصان پہنچا سکتی ہے۔ اِس دنیا میں جاری ہر قانون در حقیقت ایک کشف ہے نہ کہ اختراع یعنی قانون بنانے والے قانون دریافت کرتے ہیں، اپنی طرف سے اُسے بنا نہیں سکتے۔ قانون کی مثال اِس طرح ہے جیسے کوئی ماہرِ طبیعات کسی عنصر کے بارے میں کہہ دے کہ: اِس عنصر کے طبیعی اور کیمیائی خواص یہ اور یہ ہیں، اِس کی انتقالِ حرارت اور انتقالِ برق کی خصوصیات یہ اور یہ ہیں، حرارت کے فلاں درجے میں جل جاتا ہے، فلاں فلاں عنصر کے ساتھ کیمیائی عمل میں شامل ہو سکتا ہے اور اُن کے ساتھ اِس کی ترکیب کے فارمولے اِس طرح ہیں۔ اِس عنصر کے بارے میں وہ جو کچھ کہتا ہے وہ تمام معلومات اُسے تحقیقات اور تجربوں کے نتیجے میں معلوم ہوئی ہیں یعنی اُس نے دریافت کی ہیں اختراع نہیں کیں۔ اُس نے اپنے دل سے سوچ کر کوئی چیز وضع نہیں کی ہے بلکہ پہلے سے موجود قوانین منکشف کئے ہیں اور اُنہیں خاص الفاظ اور اصطلاحات کی

زبان دی ہے۔ سائنس کے تمام فارمولے در حقیقت طبیعی دنیا کے حاکم قوانین ہیں جنہیں ماہرین سائنس نے دریافت کیا ہے پس انسان کے لئے بھی قوانین اِسی طرح دریافت ہونے چاہئیں۔ اِس کے لئے (ماہِر انسان) کی ضرورت ہے جو نہ صرف ماہِر انسان ہو بلکہ (ماہِر طبیعت) بھی ہو یعنی انسان کے بارے میں بھی دقیق علم رکھتا ہو اور اُس کے تمام ماحول کے بارے میں بھی۔

- اگر ایک سادہ سے عنصر کے بارے میں بھی دنیا کا کوئی ماہِر طبیعات اور سائنس کا کوئی بھی عالم یہ جرأت نہیں کر سکتا کہ اپنی طرف سے گھڑ کر اُس کے لئے کوئی قانون وضع کرے بلکہ اُس کی ہر بات کشف کا نتیجہ ہو تو انسان کے لئے قانون بنانے والے کس طرح یہ جرأت کرتے ہیں کہ اِس حال میں اُس کے لئے قانون بنائیں کہ ابھی تک تو انسان کی جسمانی بناوٹ کے بھی اکثر پیچیدہ حصوں سے بے خبر ہیں۔ جبکہ اُس کے روحانی اور نفسیاتی نظام کے بارے میں تو اُس کے علم کا یہ حال ہے کہ ایں خیال است و محال است و جنوں۔ روحانی بناوٹ تو اتنی پیچیدہ اور او جھل ہے کہ انسانی نفسیات کا یہ حصہ ابھی زیر بحث ہی نہیں آیا اور اِس کے بارے میں ایک لفظ تک ابھی کہنا ناممکن ہے۔ ایسا اِس لئے بھی ہے کہ اِس کو لیبارٹریوں میں مائیکروسکوپ کے نیچے بھی نہیں لایا جا سکتا۔ بیسویں صدی کے مغربی دنیا کا ایک نامور عالم الکیسس کارل اپنی کتاب (انسان ایک نامعلوم وجود) میں لکھتا ہے: میں آج سے شروع کر کے مسلسل بولتے ہوئے اپنی موت تک انسان کے بارے میں ایسے سوالات پوچھ سکتا ہوں جو ابھی لاجواب ہیں اور اُن میں سے بہت سارے سوال ایسے ہیں جن کا سائنس کبھی بھی جواب تلاش نہیں کر سکتی۔
- اِن مبارک آیات میں اِسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ جس ذات نے تمہیں کتاب بھیجی ہے اُسے زمینوں اور آسمانوں کے تمام چھپے اسرار بھی پتہ ہیں اور تمہارے وجود کے تمام رازوں سے بھی وہ خوب واقف ہے۔ تمہیں اُسی نے پیدا کیا ہے، تمہاری صورتگری کی ہے، تمہارے وجود کا خالق ہے اور تمہارے جسمانی اور روحانی وجود کے تمام پہلوؤں سے خبردار ہے۔ اِس بحث کے فوراً بعد کتاب کے بارے میں فرمایا جاتا ہے:

هُوَ ٱلَّذِىٓ أَنزَلَ عَلَيْكَ ٱلْكِتَـٰبَ مِنْهُ ءَايَـٰتٌ مُّحْكَمَـٰتٌ هُنَّ أُمُّ ٱلْكِتَـٰبِ وَأُخَرُ مُتَشَـٰبِهَـٰتٌ ۖ فَأَمَّا ٱلَّذِينَ فِى قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَـٰبَهَ مِنْهُ ٱبْتِغَآءَ ٱلْفِتْنَةِ وَٱبْتِغَآءَ تَأْوِيلِهِۦ ۗ وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُۥٓ إِلَّا ٱللَّهُ ۗ وَٱلرَّٰسِخُونَ فِى ٱلْعِلْمِ يَقُولُونَ ءَامَنَّا بِهِۦ كُلٌّ مِّنْ عِندِ رَبِّنَا ۗ وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّآ أُو۟لُوا۟ ٱلْأَلْبَـٰبِ ۝٧

(۷)۔ اللہ وہ ذات ہے جس نے تم پر یہ کتاب نازل کی ہے جس کی بعض آیات محکم ہیں، وہ اِس کتاب کی بنیاد ہیں اور بعض دوسری متشابہ ہیں۔ تو وہ لوگ جن کے دلوں میں کجی ہے، متشابہات کے درپے ہوتے ہیں، فتنے کی تلاش میں اور تاویل کی تلاش میں؛ حالانکہ اِن کی تاویل اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اور وہ جو راسخ علم کے مالک ہیں کہتے ہیں: ہم اِن پر ایمان لائے، یہ تمام ہمارے رب کی طرف سے ہیں اور نصیحت نہیں لیتے مگر وہ جو عقل والے ہیں۔

---

(۷)۔ یہ مبارک آیت چند اہم مطالب ہمارے سامنے رکھتی ہے:

- اللہ کی کتاب میں دو قسم کی آیات ہیں۔ ایک وہ ہیں جن میں ظاہر اور انسان کو معلوم اشیاء کے بارے میں بحث کی گئی ہے اور دوسری وہ جو انسان کی آنکھوں سے اوجھل اشیاء کی حقیقت سمجھاتی ہیں۔ پہلی قسم کو محکم آیات اور دوسری کو متشابہات کہا گیا ہے۔
- محکم آیات وہ ہیں جن کی بحث کا موضوع بھی ظاہر چیزیں ہیں اور اُن کے لئے الفاظ بھی وہ استعمال کئے گئے ہیں جو انسان اُنہی چیزوں کے لئے استعمال کرتا ہے۔
- متشابہہ آیات وہ ہیں جن میں تشبیہ کے فن سے کام لیا گیا ہے اور اِن کی بحث کا موضوع انسان کی نظروں سے اوجھل چیزیں ہیں۔ مگر اِن اشیاء کے تعارف کے لئے الفاظ وہ استعمال کئے گئے ہیں جو دراصل دوسری ظاہر چیزوں کے لئے وضع کئے گئے ہیں۔
- کتاب کے اصل اور اساسی مطالب اُن آیات میں بیان کیے گئے ہیں جو محکم ہیں اور اُن میں تشبیہ سے کام نہیں لیا گیا۔
- چاہیئے کہ متشابہہ آیات کو، جن کے مفہوم کو سمجھنا غور و دقت کا متقاضی ہے، اِنہی محکم آیات کی طرف راجع کیا جائے اور اُن کی تفسیر اور توضیح اِنہی آیات کی روشنی میں کی جائے اس لئے کہ کتاب کی (اُم) یعنی اصل اور محور یہی محکم آیات ہیں۔
- وہ لوگ جن کے دلوں میں کھوٹ اور کجی ہے وہ متشابہہ آیات پر ایمان لانے کو کافی سمجھنے کے بجائے اُن کی تاویل جاننے کی کوشش اور تلاش میں ہوتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اُنہیں بحث اور تحقیق کا موضوع بنائیں۔
- جو لوگ اِس قسم کی آیات کو بحث و مباحثے کا موضوع بنانا چاہتے ہیں، وہ درحقیقت فتنے برپا کرنا چاہتے ہیں۔ وہ کوشش کرتے ہیں کہ لوگوں کے دلوں میں شکوک و شبہات ڈال دیں اور اُن کی توجہ محکم آیات سے دوسری طرف پھیر دیں یا اُن کی تاویل سمجھ جائیں۔ تاویل کے لغوی معنٰی اپنی اصل یا ابتداء کی طرف پھیرنے کے ہیں یعنی متشابہہ

آیت میں تشبیہ کردہ چیز کی کنہ اور ماہیت کو سمجھنا۔ گویا وہ جاننا چاہتے ہیں کہ اس متشابہہ چیز کی اصلی اور ابتدائی حالت اور کیفیت کیسی ہے؟

- یہ بھاگ دوڑ اور یہ کوشش اور جدوجہد اُس شخص کا کام ہے جس کے دل میں کھوٹ یا کجی ہو اور اُس کے دل و دماغ پر شکوک کے سائے چھائے ہوئے ہوں۔
- متشابہات کی تاویل کا علم صرف اللہ کے پاس ہے، کسی بھی دوسری ہستی کا مقام یہ نہیں ہے کہ وہ اِن کو سمجھ سکے۔ اِس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے غیبی اور آنکھوں سے اوجھل چیزوں کو، جن کو انسان نہیں جانتا اور نہ اپنے لغت میں اُن کے لئے نام رکھتا ہے، انسان کو بہتر طور پر سمجھانے کے لئے، اُن کی تشبیہ اُس کی جانی پہچانی اور محسوس چیزوں سے دی ہے اور اُن کا تعارف ایسے الفاظ میں کیا ہے جو در حقیقت ظاہر اور جانی پہچانی چیزوں کے لئے استعمال ہوتے ہیں۔ تاکہ اُنہیں انسانی فہم کے قابل بنا دیا جائے اور اُس چیز کے بارے میں بنیادی شُدھ بُدھ بہم پہنچائی جائے۔ لہٰذا ایسی اشیاء کی ممکن حد تک اور انسان کے مقدور کی مناسبت سے پہچان کا پورا اہتمام کرتے ہوئے اُنہیں متشابہات کے لبادے میں ڈھالا گیا ہے۔ انسان کی عقل کی پرواز اِس سے آگے ہے ہی نہیں، یہ اُس کے پرواز کی آخری حد ہے، اِس سے آگے اُس کی رسائی ہی نہیں ہے یعنی آگے کے مقامات اِس کی عقل اور ادراک سے ماوراء ہیں۔ اِس قسم کی اشیاء کی وضاحت کے لئے اللہ تعالیٰ نے لازمی حد تک بھرپور تفصیل بیان فرمائی ہے اور انسان کی عقلی قوت کے مطابق وضاحت فرمادی ہے۔ چونکہ اُس سے آگے جانے کی انسان کی عقل کی مجال ہی نہیں ہے اِس لئے اُسے یہیں رُک جانا اور متشابہات کی تاویل سے گریز کرنا چاہیے۔ انسان کی عقل اور سمجھ کا نقص، اُس کے حواس اور مشاعر کی محدودیت اور اُس کی زبان اور لغت کی عدم جامعیت اُس کے یہاں سے آگے جانے سے عاجز رہنے کا باعث ہے اور وہ متشابہات کی حقیقت کو اِس سے زیادہ نہیں سمجھ سکتا۔
- اس آیت سے پہلے کی دو آیات میں وضاحت کی گئی ہے کہ انسان کے لئے (رہنما) اور (فرقان) کتاب اُس اللہ نے بھیجی ہوئی ہے جو (انفس) اور (آفاق) کے تمام تر اِسرار اور چھپی ہوئی حقیقتوں کا علم رکھتا ہے۔ یعنی اِس کتاب میں زمین و آسمان کی بھی اور خود انسان کی بھی بہت ساری ایسی چیزوں سے بحث کی گئی ہے جو انسان کی آنکھوں سے اوجھل ہیں۔ انسان کی لغت میں صرف اُن چیزوں کے لئے نام موجود ہیں جو اُس نے اپنی آنکھوں سے دیکھی ہوتی ہیں اور جنہیں وہ جانتا ہے۔ جو چیزیں اُس کی نگاہوں سے اوجھل ہیں اُن کے لئے اُس کی لغت میں نہ تو نام ہیں اور نہ اُن کے بیان کے لئے الفاظ۔ ایسی صورت میں انسان کو سمجھانے کے لئے اللہ اُس کو یہ چیزیں کس طرح اور کن الفاظ

میں بیان فرماتا ہے؟ اور یہ کہ اللہ کی کتاب میں اِن غیبی چیزوں کی وضاحت کے لئے کون سا اسلوب استعمال کیا گیا ہے؟اِس مبارک آیت میں اِسی سوال کا جواب دیا گیا ہے۔

اگر ہم قرآن کریم میں تھوڑا سا بھی غور و فکر کریں تو صاف واضح ہو جائے گا کہ قرآن کریم کی بحث اور تحقیق کے دو بنیادی محور یا دائرے ہیں۔ بحث کا ایک دائرہ انسان کے لئے مشہود، ظاہر اور معلوم اشیاء اور معاملات سے متعلق ہے اور انسانی لغت میں اُن کے لئے صریح اور واضح الفاظ موجود ہیں مثلاً سورج، چاند، آسمان، زمین، پہاڑ، انسان وغیرہ۔ دوسرا حصہ ایسی چیزوں سے تعلق رکھتا ہے جو آنکھوں سے اوجھل اور غائب ہیں اور انسانی لغت میں ایسے کلمات موجود ہی نہیں ہیں جو اُن کے لئے استعمال کئے جا سکیں۔ اِن اوجھل اور غائب اشیاء کی پہچان اور تعارف کے لئے مجبوراً وہ الفاظ استعمال ہونے چاہئیں جو دراصل ملموس اور ظاہر چیزوں کے لئے وضع کیے گئے ہیں اور لازم ہے کہ تشبیہ کے فن سے کام لے کر اِن چیزوں کی ایسی تصویر پیش کی جائے جو حقیقت کے قریب تر ہو۔ یہی وہ مقام ہے جہاں آیات دو حصوں میں تقسیم ہو جاتی ہیں:

وہ آیات جو ظاہر اور مشہود عالم سے بحث کرتی ہیں۔ اِس قسم کی آیات میں ایسے الفاظ استعمال ہوئے ہیں جن میں سے ہر ایک اپنے منفرد موقع کے لئے وضع کیا گیا ہے۔ ہر لفظ ایک متعین مفہوم رکھتا ہے اِس لئے آیت کا مطلب اخذ کرنا اور اُس کے الفاظ کا اپنے اپنے مورد پر تطبیق آسان ہے۔ یہ محکم آیات ہیں مگر وہ آیات جو غیب اور غیبی چیزوں سے بحث کرتی ہیں اُن میں غیبی چیزوں کی پہچان اور بیان کے لئے تشبیہ کے فن سے کام لیا گیا ہے۔ اِس کے تحت اُن کے لئے ایسے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں جو دراصل ظاہر اور سامنے کی چیزوں کے لئے وضع کیے گئے ہیں مگر تصویر کشی اُن غائب اشیاء کی مقصود ہے۔ ان آیات کو متشابہ آیات کہا جاتا ہے۔ مثلاً درج ذیل آیت:

إِنَّ رَبَّكُمْ اللهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَ الْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَى عَلَى الْعَرْشِ ۔ الاعراف ۵۴

اِس مبارک آیت میں یوم، استواء اور عرش کے الفاظ ملتے ہیں جو دراصل کھلی اور ظاہر اشیاء کے لئے وضع کئے گئے الفاظ ہیں مگر اِس آیت میں اِس مفہوم کے بیان کے لئے آئے ہیں کہ یہ زمین و آسمان چھ مرحلوں میں بنائے گئے ہیں۔ اِن کی ہر چیز کا مالک اور حاکم اللہ ہے اور اِن میں موجود ہر چیز اُس کے اقتدار اور حکم کے تحت ہے۔

چونکہ ہم جان گئے ہیں کہ محکم آیات قرآنِ کریم کا اصل محور ہیں تو لازم ہے کہ متشابہ آیات بھی اُنہی کی طرف راجع کی جائیں اور اُن کی تفسیر بھی محکم آیات کی روشنی میں کی جائے۔ یہ مناسب نہیں ہے کہ ہم متشابہ آیات کا بیان اور تشریح اپنی مستقل حیثیت میں محکم آیات کی طرف رجوع کیے بغیر انفرادی طور پر کریں۔ وہ لوگ جو متشابہ آیات کے درپے رہتے ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ محکم آیات سے علیحدہ کر کے اور اُن سے رجوع کئے بغیر اِن متشابہات کی تفسیر کریں، وہ غلط راہ پر

پڑ گئے ہیں۔ اُن کے دل بیمار ہیں اور اُن کا فکری انحراف اُن کی اِس گمراہی کا سبب بنا ہے۔ اُن کا مقصد یا تو فتنہ برپا کرنا ہے یا اِن آیات کی تاویل، علم اور سمجھ حاصل کرنا۔ جس کسی نے بھی متشابہہ آیات کی مراد پر اکتفانہ کیا اور اُن کی تاویل میں پڑ گیا وہ یا تو بیمار دل کا مالک ہے اور فتنوں کی تلاش میں ہے اور یا ایک ایسے مقصد کے حصول میں لگ گیا ہے جس کے بارے میں اللہ نے کہا ہے کہ یہ میرے علاوہ کسی کے بس میں نہیں ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ متشابہات کی تاویل جان لے مگر متشابہات کا علم صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ وہ کچھ جو انسان کے حواس سے ماوراء ہے، وہ امور جو عالمِ غیب میں قرار پائے ہوئے ہیں اور انسان قادر نہیں ہے کہ اپنے محدود حواس کے ساتھ اُن کا ادراک کر سکے؛ عالم الغیب کی اُن چھپی ہوئی اشیاء کی پہچان اور تعارف کے لئے قرآنِ کریم تمام تر اُن الفاظ سے استفادہ کرتا ہے جو انسانی لغت میں موجود ہیں اور اس سلسلے میں کارآمد ہو سکتے ہیں۔ اِن الفاظ اور آیات میں اِس بات کی پوری طرح رعایت موجود ہے کہ وہ کائنات اور عالم کی پہچان کے لئے اِن غیبی اشیاء کی ممکن اور مناسب تصویر کشی انسانی عقل کی آخری حد تک کر سکیں۔ اِس سے آگے جانے کی انسانی عقل تاب نہیں رکھتی اور آگے اُس کے پر جلتے ہیں لہٰذا اُسے چاہیے کہ اِسی جگہ ٹھہر جائے۔ اُس کی ناقص عقل، قاصر تصور، محدود طاقت، تنگ نظر، ناقص استعداد اور محدود قاموس کا تقاضا یہی ہے کہ وہ اِسی لکیر پر رک جائے اور مزید آگے جانے کی کوشش اور تگ و دو نہ کرے۔ اِس سے آگے وہ جا ہی نہیں سکتا اور غیبی اشیاء کی تاویل اور حقیقت پا ہی نہیں سکتا۔

بعض لوگ اِس آیتِ مبارکہ کے صریح حکم پر توجہ نہیں کرتے اور آیت کے آخری حصے کی ایسی تفسیر کرتے ہیں جو پہلے حصے سے گہرا تناقض رکھتی ہے۔ آیت کا پہلا حصہ کہتا ہے: بیمار دلوں کے مالک، فتنہ جُو، تنازع پسند، شکاک اور قناعت نہ کرنے والے لوگ متشابہہ آیات کے درپے رہتے ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ اُن کی تاویل کریں۔ اِس کے فوراً بعد کہا گیا ہے کہ اللہ کے علاوہ کوئی متشابہہ آیات کی تاویل نہیں جانتا۔ آخر میں فرمایا جاتا ہے: اِن تنازع پسند اور فتنہ جو بیمار دل رکھنے والوں کے برعکس حقیقی عالِم اور پختہ علم کے مالک کہتے ہیں کہ: ہم اِن پر ایمان لائے، یہ تمام اللہ کی طرف سے ہیں اور عقلمندوں کے علاوہ کوئی نصیحت حاصل نہیں کرتا۔ تعجب ہے کہ وہ اِس صراحت سے چشم پوشی کرتے ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں کہ آیت کے آخری حصے میں اللہ اور پختہ علم کے مالک مستثنیٰ قرار دئے گئے ہیں۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ (اللہ) اور (الرسخون) کے درمیان "واوَ" عطف کے لئے ہے۔ یہ غلط توجیہہ آیت کے پہلے حصے سے بھی متناقض ہے اور بلاغت کے بھی خلاف ہے۔ اگر لفظِ اللہ کے بعد توقف نہ کریں اور اِس واوَ کو عطف کا واوَ فرض کر لیں تو پھر بعد کے سارے جملے کو ماقبل پر عطف کرنا چاہیے جس سے اِس کا معنٰی یوں ہو جائے گا کہ: اور اِس کی تاویل کو اللہ اور راسخ علم والوں کے علاوہ کوئی نہیں جانتا اور اللہ اور راسخ علم کے مالک کہتے ہیں: ہم اِن پر ایمان لائے یہ سب اللہ کی طرف سے ہیں!! یعنی یقولون میں بھی ضمیر اللہ اور الراسخون في العلم دونوں کو راجع ہونا چاہیے!! ظاہر ہے

کہ یہ نہ تو کوئی معقول بات ہے اور نہ درست۔ آیت کی ابتدا اور آخیر دونوں اِس پر دلالت کرتی ہیں کہ لفظ اللہ کے بعد توقف کرکے متشابہات کا علم صرف اللہ تک محدود کرنا چاہیے۔

بعض دوسرے کہتے ہیں کہ ہو سکتا ہے کہ کسی وقت کوئی آیت متشابہات میں سے ہو اور دوسری جگہ محکم؛ یعنی ایک ہی آیت کو ایک پہلو سے متشابہہ قرار دیں مگر دوسرے پہلو سے محکم قرار دیں۔ یہ نکتہ نظر نہ صرف آیات کی تقسیم کے حوالے سے قرآنِ کریم کی وضاحت سے متصادم ہے بلکہ اِس طرح تو کسی بھی آیت کے بارے میں گمان پیدا کیا جا سکتا ہے کہ ہو سکتا ہے یہ بھی متشابہہ ہو۔ یہ نکتہ نظر وہ لوگ پیش کرتے ہیں جو بنیادی طور پر محکم اور متشابہ کے بارے میں لازمی اور پورا علم نہیں رکھتے۔ اُن کی نظر میں قرآنِ کریم کے مخاطب کی سوجھ بوجھ اور فہم ہی اِس کا معیار ہے یعنی جو آیت پڑھنے والے کی سمجھ میں آگئی اور اُسے اُس کے مطالب میں کسی شک و تردد سے واسطہ نہیں پڑا وہ محکم ہے اور اگر مخاطب اُس کے فہم سے عاجز رہا، یا کسی شک و تردد میں پڑ گیا تو وہ آیت ہی متشابہہ ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ محکم اور متشابہہ کی تفریق کا معیار مخاطب کا فہم و فراست نہیں ہے، یہ درجہ بندی مخاطب کے اندازوں اور فہم و فراست کو کوئی توجہ اور اہمیت دیئے بغیر کی گئی ہے۔ لفظِ متشابہہ بذاتِ خود اِس بات کی تصریح کرتا ہے کہ اِس سے مراد وہ آیات ہیں جن میں تشبیہ کے فن سے کام لیا گیا ہے۔ اِن میں عالمِ غیب کی اشیاء کا تعارف ایسے الفاظ سے کیا گیا ہے جو دراصل ظاہر اور معلوم اشیاء کے لئے وضع کیے گئے ہیں اور تشبیہ کے ذریعے اُن سے غیبی اشیاء کی پہچان کرائی گئی ہے۔

تاویل کا لغوی معنٰی کسی چیز کو اُس کی اصل یا ابتداء کی طرف پھیر لینا ہے۔ یہاں اِس سے مراد یہ ہے کہ متشابہہ لفظ کو اپنی فعلی حالت (استعمال کی حالت) سے پھیر کر اُس کی اصلی حالت کی طرف لایا جائے۔ یعنی یہ کہ تشبیہ سے اخذ کیا جانے والا مطلب کافی نہ سمجھا جائے بلکہ اُس چیز کی حقیقت کو سمجھنے کی کوشش کی جائے جس کی تشبیہ کے ذریعے پہچان کرائی گئی ہے۔ مثال کے طور پر: ہمارے عرف اور لغت میں عرش اُس تخت کو کہا جاتا ہے جس پر بادشاہ بیٹھتا ہے اور یہ اُس کی قوت و اقتدار کی نشانی سمجھا جاتا ہے۔ یہ عرش اپنا ایک ڈیزائن رکھتا ہے اوپر سے ہموار تخت ہوتا ہے اور اُس کے نیچے چار پائے لگے ہوتے ہیں۔ تو پھر اللہ تعالیٰ کے عرش کا معنٰی کیا ہوا؟ اگر ہم کہیں کہ اللہ تعالیٰ کا عرش اُس کی بے مثل بادشاہی اور اقتدار کا مظہر اور نشانی ہے، تو یہ تاویل نہ ہوئی بلکہ مراد کہلائے گی۔ تاویل کے لئے ہمیں اِس پر اکتفا کرنے سے گریز کرنا ہو گا، اِس لئے کہ اُس کے لئے صرف اتنا کہہ دینا کافی نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے عرش کی ماہیت سمجھنی ہو گی۔ جبکہ یہ ناممکن ہے کہ اللہ کے عرش کی ماہیت کا ادراک کیا جا سکے اور اُس کی حقیقت سمجھی جا سکے۔ لٰہذا لازم ہے کہ ہم اپنی حدود میں رہیں اور اُنہیں پھلانگنے کی کوشش نہ کریں۔ جو کوئی عرش کی

ماہیت اور استواء کی کیفیت کے بارے میں بحث اور مناظرہ کرتا ہے وہ یا تو بیمار دل کا مالک ہے، یا لوگوں کے درمیان فتنے برپا کرنا چاہتا ہے اور یا بے جا بڑائی اور غرور کے مرض میں مبتلا ہے۔ یہ ایک ایسا شخص ہے جو ایسا نوالہ منہ میں ٹھونسنا چاہتا ہے جو اُس کے گلے سے نہیں گزر سکتا اور اپنی چادر سے بڑھ کر پاؤں پھیلانا چاہتا ہے۔

یہ حقیقت ہم سب جانتے ہیں کہ قرآنِ کریم انسانوں کی زبان میں نازل ہوا ہے اور اپنا پیغام ایسے الفاظ میں بیان کرتا ہے جو عربی لغت میں موجود ہیں اور مشہود اور ملموس اشیاء کے لئے وضع کئے گئے ہیں۔ جب قرآنِ کریم انسان کے ساتھ ظاہر اور معلوم اشیاء کے بارے میں بحث کرتا ہے تو اُس کے الفاظ اور مدلول دونوں واضح ہوتے ہیں۔ انسان آسانی کے ساتھ اُن کا ادراک کر سکتا ہے، اُنہیں سمجھ سکتا ہے اور اِس قسم کے کلمات کہتے اور سنتے وقت کسی قسم کا مشکل اور ابہام پیدا نہیں ہوتا۔ مگر جونہی موضوع بدلتا ہے، غیبی اور غیر مشہود اشیاء کی باتیں شروع ہوتی ہیں اور عالمِ غیب کا ذکر آتا ہے تو اُس صورت میں انسانی لغت کے سامنے سرخ لکیر کھچ جاتی ہے۔ اُس کے قاموس میں اُس چھپے اور غیبی عالَم کے اجزاء کے تعارف اور پہچان کے لئے مناسب الفاظ ملتے ہی نہیں اِس لئے کہ غیبی عالَم انسانی لغت میں نہیں سماتا یعنی اُس کے لغت کا ظرف اور صلاحیت یہ نہیں ہے کہ ایسی غیبی اشیاء کی پہچان کرائے۔ پس لازم ہو جاتا ہے کہ اِن غیبی امور کی پہچان کے لئے بھی وہی ناقص اور تنگ الفاظ اور وہی مشہود و معلوم اشیاء کے لئے وضع کردہ الفاظ استعمال کئے جائیں اور اُنہی کے ذریعے انسان کے فہم اور سمجھ کے لئے غیبی اشیاء کی ایک تصویر اور خاکہ پیش کیا جائے۔ یوں تشبیہ کے فن کی مدد سے انسانی فہم کے لئے غیبی اشیاء کی تصویر کشی کر دی جاتی ہے۔ اِس قسم کی آیات کے الفاظ کی تاویل کرکے اُن کو اُن کی اصلی اور ابتدائی حالت پر پھیرنا انسان کے بس کی بات نہیں ہے اور اِس کیفیت کو اللہ تعالیٰ کے علاوہ دوسرا کوئی نہیں جان سکتا۔ انسان کے لئے جس حد تک ممکن تھا اور جتنی طاقت وہ رکھتا تھا، اُس حد تک اِنہی متشابہہ الفاظ نے اُن چیزوں کی پہچان کرا دی ہے۔ انسانی عقل اُس سے آگے پرواز کی طاقت نہیں رکھتی، اُسے چاہیے کہ اِسی جگہ اِسی حد پر ٹھہر جائے اور یہاں سے آگے جانے کی کوشش نہ کرے۔ یہ اُس کی طاقت اور فہم کی آخری سرحد ہے، وہ اِس سے زیادہ اِن چیزوں کا ادراک نہیں کر سکتا۔

بعض لوگ کہتے ہیں ہمارے پاس ایسی روایات موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ ہمارے آئمہ "الراسخون في العلم" ہیں اور تاویل جانتے ہیں۔ اِس بارے میں چند معروضات پیشِ خدمت ہیں:

- اِس میں کوئی شک نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ وسلم کے اصحاب رضی اللہ عنہم دوسرے ہر کسی سے زیادہ قرآنِ کریم کے زبان شناس اور عالِم تھے۔ وہ ہر کسی سے زیادہ قرآنِ کریم کے ہدف اور مفہوم کو جانتے تھے۔ یہی تمام مسلمانوں کا

عقیدہ ہے اور سب اِس پر متفق ہیں۔ یہ بھی سب جانتے اور مانتے ہیں کہ قرآنی مفاہیم کو سیکھنے اور سمجھنے کے لئے اُنہی کی رائے کی طرف رجوع کرنا چاہیئے، اِس حوالے سے مسلمانوں میں کبھی کوئی اختلاف نہیں رہا بلکہ اختلاف اِس میں ہے کہ روایت کا راوی کون ہے؟ کیا یہ روایت ثقہ، مصئون اور قابل اطمینان ذریعے سے ہم تک پہنچی ہے؟ اور کیا زمانے کے فرق اور راویوں کی تعداد نے روایت پر کوئی اثر تو نہیں ڈالا اور الفاظ میں کسی تغیر کا باعث تو نہیں ہوئے؟ اور یہ کہ کیا روایات ثبت کرنے کے بارے میں ویسی ہی باریک بینی کا اہتمام کیا گیا ہے جو آیات کے بارے میں کیا گیا؟

- مناسب نہیں ہے کہ ہر روایت کو معیار تصور کیا جائے اور قرآن کی آیات کی توجیہہ اُس کی روشنی میں کی جائے۔ بلکہ لازم ہے کہ ہم ہر روایت کو قرآن کی طرف راجع کریں، اُسے قرآن کی کسوٹی پر پرکھیں اور اگر اُسے قرآنِ کریم کے موافق پائیں تو قبول کریں، نہیں؛ تو اُسے قبول کرنے سے گریز کریں۔ دین اور دین کے پیشوا ہمیں یہی درس دیتے ہیں کہ قرآن سے متعارض ہر بات کو دیوار پر دے ماریں۔
- وہ روایات جو عقل کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتیں اور ایسا مطلب بیان کرتی ہیں جو انسانی عقل پر پورا نہیں اُترتا۔ یعنی وہ جو عقلِ انسانی سے ٹکراؤ رکھتی ہوں اور وہ روایات جو کسی عظیم بزرگ ہستی کی طرف کوئی ایسا قول منسوب کرتی ہوں جو اُس درجے کے بزرگوں کے ساتھ نامناسب ہو اور اسلامی معیارات کے رو سے کمزور اور ناشائستہ سمجھا جاتا ہو۔ مثلاً اُن میں اپنی تعریف اور دوسروں کو بُرا بھلا اور گالیاں یا اقتدار کے ساتھ محبت کا اظہار، اپنے لئے دلیری، شجاعت، غیرت یا غیب پر عالم ہونے کی نسبت یا اِس قسم کے دوسرے دعوے بیان ہوئے ہوں؛ تو ہمیں ایسی روایات کے بارے میں محتاط رہنا چاہیے۔ ہمارے دلوں میں ایسی روایات کے بارے میں بھی اور اُن کے راوی کے بارے میں بھی شک پیدا ہونا چاہیے اور ہمیں اُن کی ترویج اور آگے پھیلانے سے احتراز کرنا چاہیے۔ اِس لئے کہ اِس کا امکان نہیں ہے اور یہ بات توقعات کے خلاف ہے کہ اِس درجے کی شخصیت اپنی تعریف کرے گی، یا اسلام اور قرآن کو سمجھنے والی کوئی ہستی عالم الغیب ہونے کا دعویٰ کرے گی۔ یہ توقع نہیں ہے کہ صالح اور مومن شخصیات کی سوچ کبھی اپنے لئے اقتدار اور حاکمیت کے مقام کے حصول کی بھی رہی ہو گی۔ اِس بات کا امکان نہیں ہے کہ ایک عالم، دین کی اساسات کو جاننے والا اور اسلامی اخلاق سے مزین انسان راسخون في العلم کے گروہ میں سے ہونے کا دعویٰ کرے گا۔ پختہ علم کا مالک اور اِسی لئے متشابہات کا جاننے والا اگر متشابہات سمجھتا ہوتا تو اُس نے اُن کے سمجھنے کا دعویٰ کرنے کے بجائے اُن کی توضیح ہی کر دی ہوتی۔ ہمیں تو اُن کے اقوال میں ایسی کوئی مثال نظر نہیں آتی کہ اُنہوں نے کسی متشابہہ آیت کے بارے میں کچھ کہا ہو۔

آیت کے آخر میں عقلمند علماء کے بارے میں کہا گیا ہے کہ: علماء تمام آیات کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کی ہوئی سمجھتے ہیں، اُن پر ایمان لاتے ہیں اور عقل والے اُن سے نصیحت لیتے ہیں۔

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِن لَّدُنكَ رَحْمَةً ۚ إِنَّكَ أَنتَ ٱلْوَهَّابُ ﴿٨﴾ رَبَّنَآ إِنَّكَ جَامِعُ ٱلنَّاسِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيهِ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ لَا يُخْلِفُ ٱلْمِيعَادَ ﴿٩﴾

(۸)۔ اے ہمارے رب! ہدایت دینے کے بعد ہمارے دلوں کو کجی سے محفوظ رکھ اور ہم پر اپنی نوازش کر دے، بے شک تُو بڑا مہربان توبہ قبول کرنے والا ہے۔ (۹) اے ہمارے رب یقیناً تُو اُس دن کے لئے لوگوں کو جمع کرنے والا ہے جس میں کوئی شک نہیں ہے، بے شک اللہ اپنے وعدے سے نہیں پھرتا۔

(۸۔۹)۔ پہلے اُن لوگوں کا ذکر ہوا جن کے دلوں میں کجی ہے اور فتنے کھڑے کرنے کی تلاش میں ہیں اور اب پختہ علم رکھنے والوں کے اُن اندیشوں کی طرف اشارہ ہے جو اُنہیں انحراف، کجی اور آخرت کی جواب دہی کے بارے میں لاحق ہیں۔ اُن کے یہ ایمانی احساسات اِن الفاظ میں بیان ہوئے ہیں کہ: اے ہمارے رب! اپنی نوازش اور رحمت سے ہمیں اُن لوگوں میں شامل ہونے سے بچا لے جن کے دلوں میں کھوٹ آ گیا ہے۔ اے ہمارے رب! قیامت کا دن آنے والا ہے اور تُو اپنا وعدہ پورا کرنے والا ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ ہدایت کے بعد بھی کجی اور انحراف کا اندیشہ موجود رہتا ہے۔ بہت سے لوگ ایسے ہیں جن کو کبھی ہلکی سی روشنی نظر آئی ہے، چند قدم آگے گئے ہیں مگر راستے کی مسافت میں ایسے مصروف ہوگئے ہیں کہ نہ صرف آگے بڑھنے سے رہ گئے ہیں بلکہ راستہ ہی گم کر بیٹھے ہیں اور بھٹک گئے ہیں۔

إِنَّ ٱلَّذِينَ كَفَرُواْ لَن تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَٰلُهُمْ وَلَآ أَوْلَـٰدُهُم مِّنَ ٱللَّهِ شَيْـًٔا ۖ وَأُوْلَـٰٓئِكَ هُمْ وَقُودُ ٱلنَّارِ ﴿١٠﴾ كَدَأْبِ ءَالِ فِرْعَوْنَ وَٱلَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ ۚ كَذَّبُواْ بِـَٔايَـٰتِنَا فَأَخَذَهُمُ ٱللَّهُ بِذُنُوبِهِمْ ۗ وَٱللَّهُ شَدِيدُ ٱلْعِقَابِ ﴿١١﴾

(۱۰)۔ یقیناً جو کافر ہوئے نہ اُن کا مال اُن سے اللہ کی کوئی چیز دفع کر سکے گا اور نہ اُن کی اولاد اور یہ ہی ہیں جو آگ کا ایندھن بنیں گے۔ (۱۱)۔ فرعونیوں اور اِن سے پہلے والوں کا سا حال اِن کا ہوگا، اُنہوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی تو اللہ نے اُن کے گناہوں پر اُن کی گرفت کی اور اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔

(۱۰۔۱۱)۔ تاریخ سے سبق لیں اور دیکھیں کہ اُن لوگوں کی عاقبت کیسی تھی جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات کی تکذیب کی۔ نہ مال نے اُن کو اللہ کے عذاب سے بچایا اور نہ اُن کا ساتھ دینے والوں کے لشکروں نے؛ فرعونی اور اُن سے پہلے گزرے ہوئے کافر کیسے اللہ کے شدید عذاب اور مواخذے سے دوچار ہوئے۔ جو کوئی بھی اللہ تعالیٰ کی آیات کی تکذیب کرے گا اُس کا یہی انجام ہو گا۔

قُل لِّلَّذِينَ كَفَرُواْ سَتُغْلَبُونَ وَتُحْشَرُونَ إِلَىٰ جَهَنَّمَ ۚ وَبِئْسَ ٱلْمِهَادُ ﴿١٢﴾

(۱۲)۔ کافروں سے کہو، تم عنقریب مغلوب ہو جاؤ گے اور جہنم کی طرف جمع کئے جاؤ گے، کتنی بُری ہے وہ جائے قیام۔

(۱۲)۔ اگرچہ یہاں خطاب عام ہے اور تمام کافروں سے کہا گیا ہے کہ دنیا میں تمہارا انجام شکست اور مغلوبیت ہے اور آخرت میں جہنم کی بُری قیام گاہ مگر بعد والی آیت سے پتہ چلتا ہے کہ اِس کے مخاطب خصوصاً یہود ہیں۔

اِس آیت سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ اِس سورت کا یہ حصہ بھی فتح مکہ سے کافی پہلے نازل ہوا ہے۔ اس لئے کہ قریش کی شکست کے بعد آخر کون ہے جس کی عنقریب مغلوبیت کی خبر اس خطاب میں دی جا رہی ہے (یہود تو اُس سے بھی پہلے مدینہ سے نکالے جا چکے تھے اور نجران کے عیسائی فتح مکہ کے بعد آ کر نہ صرف تسلیم ہوئے بلکہ جزیہ کی ادائیگی پر مجبور ہوئے)؟ لہٰذا طبیعی ہے کہ یہ خطاب اِس مرحلے کا نہیں ہے بلکہ اُس مرحلے سے متعلق ہے جب نہ قریش کو شکست ہوئی تھی اور نہ ہی یہود و نصاریٰ کو۔ اِس سے ملتی جلتی متعدد دوسری آیات بھی اِس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ اِس سورت کا کوئی بھی حصہ فتح مکہ کے بعد نازل نہیں ہوا۔ جو روایات اِس کے ایک حصے کے اُس وقت نازل ہونے کی بات کرتی ہیں جب عیسائیوں کا ایک وفد مدینہ آیا ہوا تھا، اُن میں کئی اشکالات موجود ہیں:

- اِن روایات میں آپس میں بھی کافی اختلاف اور تعارض موجود ہے، بعض روایات اسی یا نوے اور بعض تیس اور ساٹھ کی تعداد بتاتی ہیں۔ بعض کہتی ہیں کہ وفد ساٹھ افراد پر مشتمل تھا بعض کہتی ہیں اسی افراد تھے۔
- سورت کی کسی آیت کے الفاظ سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ وہ فتح مکہ کے بعد نازل ہوئی ہو گی۔

قَدْ كَانَ لَكُمْ ءَايَةٌ فِى فِئَتَيْنِ ٱلْتَقَتَا ۖ فِئَةٌ تُقَـٰتِلُ فِى سَبِيلِ ٱللَّهِ وَأُخْرَىٰ كَافِرَةٌ يَرَوْنَهُم مِّثْلَيْهِمْ رَأْىَ ٱلْعَيْنِ ۚ وَٱللَّهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهِۦ مَن يَشَآءُ ۗ إِنَّ فِى ذَٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّأُوْلِى ٱلْأَبْصَـٰرِ ﴿١٣﴾

(۱۳)۔ یقیناً تمہارے لئے اُن دو برسرِ پیکار گروہوں میں واضح نشانی ہے۔ ایک اللہ کی راہ میں لڑ رہا تھا اور دوسرا کافر تھا جو دیکھنے میں بھی اُنہیں اپنے آپ سے دُگنا نظر آ رہا تھا۔ اور اللہ اپنی مدد سے جن لوگوں کا چاہے، ساتھ دیتا ہے۔ یقیناً اِس میں آنکھیں رکھنے والوں کے لئے عبرت ہے۔

---

(۱۳)۔ اِس مبارک آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ پچھلی آیت میں مخاطب قریش نہیں بلکہ یہود ہیں۔ اُنہیں بدر کا معرکہ بطور مثال پیش کیا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ تمہارا انجام بھی اِنہی کی طرح ہو گا۔ بدر کی لڑائی میں مسلمانوں کی برتری نے یہود کو شدید پریشانی میں ڈال دیا اِس لئے کہ اِس سے پہلے اُن کو گمان بھی نہیں تھا کہ یہ چند بے سروسامان مہاجر مسلمان قریش کے آگے تھم سکیں گے یا اپنے معرکے سے کوئی فائدہ اُٹھا سکیں گے۔ مگر بدر کی تاریخی اور نادر فتح سے وہ ہکا بکارہ گئے اور پہلی مرتبہ اُنہوں نے خطرے کا احساس کیا، اِس نوخیز تحریک کا قضیہ اُنہیں اہم لگا اور قریب آنے والے خطرے کا راستہ روکنے کی کوشش میں پڑ گئے۔ پس وہ قریش کو وفود بھیجنے لگے، اُن کے ساتھ اِظہارِ یک جہتی کرتے ہوئے اُن کی شکست اور نقصانات پر اِظہارِ افسوس کیا اور اُنہیں اطمینان دلایا کہ اِس کے بعد مسلمانوں کے خلاف وہ اُن کی مدد کریں گے۔ اِس آیت میں دسویں اور گیارہویں آیت کی مزید تشریح ہے اور تاریخ سے ایک مثال پیش کی گئی ہے کہ کافروں کو اُن کا مال اور طاقت فائدہ نہیں دے سکتی اور نہ ہی یہ چیزیں اُنہیں اللہ کے عذاب سے بچا سکتی ہیں۔ فرمایا گیا ہے کہ: کیا تم نے دیکھا نہیں کہ بدر کی لڑائی میں وہ کس عاقبت سے دوچار ہوئے حالانکہ سرسری نظر سے بھی اُن کی تعداد مسلمانوں سے دُگنا لگ رہی تھی جبکہ درحقیقت اِس سے بھی زیادہ تھی مگر اِس کے باوجود شکست سے دوچار ہوئے۔ اُن کی کثرتِ تعداد اور وسائل کی بہتات اُن کے کسی کام نہ آئی اور اُن کے شکست کا راستہ نہ روک سکی۔

فتح اور شکست کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کرتا ہے۔ اللہ کی مدد اور تائید کا مستحق وہ ہوتا ہے جو اپنے اندر اللہ کی مدد کے استحقاق کا ثبوت پیش کرے؛ تب جا کر آخری فتح اُسے ہی نصیب ہو گی، چاہے دشمن کے مقابلے میں اُس کی فوج کتنی ہی کم اور وسائل کتنے ہی محدود ہوں۔ بدر کے معرکے میں قریش کی شکست اور مسلمانوں کی برتری میں بصیرت رکھنے والوں کے لئے عبرت اور نصیحت کے گہرے دروس موجود ہیں۔

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ ٱلشَّهَوَٰتِ مِنَ ٱلنِّسَآءِ وَٱلۡبَنِينَ وَٱلۡقَنَٰطِيرِ ٱلۡمُقَنطَرَةِ مِنَ ٱلذَّهَبِ وَٱلۡفِضَّةِ وَٱلۡخَيۡلِ ٱلۡمُسَوَّمَةِ وَٱلۡأَنۡعَٰمِ وَٱلۡحَرۡثِۗ ذَٰلِكَ مَتَٰعُ ٱلۡحَيَوٰةِ ٱلدُّنۡيَاۖ وَٱللَّهُ عِندَهُۥ حُسۡنُ ٱلۡمَـَٔابِ ﴿١٤﴾ ۞ قُلۡ أَؤُنَبِّئُكُم بِخَيۡرٖ مِّن ذَٰلِكُمۡۚ لِلَّذِينَ ٱتَّقَوۡاْ

عِندَ رَبِّهِمْ جَنَّٰتٌ تَجْرِى مِن تَحْتِهَا ٱلْأَنْهَٰرُ خَٰلِدِينَ فِيهَا وَأَزْوَٰجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَرِضْوَٰنٌ مِّنَ ٱللَّهِ ۗ وَٱللَّهُ بَصِيرٌۢ بِٱلْعِبَادِ ﴿١٥﴾

(۱۴)۔ لوگوں کے لئے مرغوب چیزوں—— بیویاں، بیٹے، سونے چاندی کے خزانے، نشان زدہ گھوڑے، مویشی اور کھیتی باڑی کی محبت دلکش بنادی گئی ہے مگر یہ سب دنیوی زندگی کی متاع ہے اور اللہ کے پاس بہت بہتر ٹھکانا ہے۔ (۱۵) اِنہیں کہہ دو: کیا میں تمہیں اِن سے بہتر چیزوں کی خبر دے دوں؟ متقیوں کے لئے اُن کے رب کے پاس ایسی جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، وہ ہمیشہ اُس میں رہیں گے اور پاکیزہ جوڑے اور اللہ کی رضامندی۔ اور اللہ اپنے بندوں کو خوب دیکھنے والا ہے۔

(۱۴۔۱۵)۔ لوگ مرغوباتِ نفس کو معیار بنائے ہوئے ہیں اور اُسی کی فراوانی کی بنیاد پر کسی کی عزت اور ذلت، فتح اور شکست اور سعادت و شقاوت کا فیصلہ کرتے ہیں۔ یعنی وہ چیزیں جن کو انسان کا نفس پسند کرتا ہے جیسے کہ بیویاں، بیٹے، سونے چاندی کے ڈھیر، نشان زدہ گھوڑے، مویشیوں کے ریوڑ اور کھیتی باڑی کے لئے وسیع زمینیں۔ مگر یہ نہ تو ہدف ہیں اور نہ ہی معیار؛ انسان نہ تو اِن کے لئے پیدا کیا گیا ہے، نہ اُس کے متعلق فیصلہ اِن چیزوں کی بنیاد پر کیا جائے گا اور نہ ہی اُس کے مستقبل کا تعین اِن کی رو سے کیا جائے گا۔ یہ چیزیں تو در حقیقت اُس کے لئے پیدا کی گئی ہیں اور اُس کے زندگی کا متاع ہیں۔ انسان کے لئے معیار کچھ اور ہے؛ وہی جسے اللہ تعالیٰ نے ایک لفظ میں سمو دیا ہے اور وہ ہے تقویٰ: یعنی پرہیز! ظلم سے، ناجائز سے، حد سے گزرنے سے، گناہ و عصیان سے اور ہر اُس چیز سے جو اُس کی انسانیت کے ساتھ زیب نہیں دیتی یا اُس کے لئے مضر ہے۔ اچھے بُرے اور سزا و جزا کا فیصلہ تو ابھی بعد میں آئے گا، یہ فیصلہ تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کرے گا اور وہاں جا کر تمہیں متقیوں کے مقام و منزلت کا ادراک ہو گا۔ تم نے تو دنیا ہی میں اُن لوگوں کو حقارت کی نظر سے دیکھنا شروع کیا ہے جو اپنے ملک سے نکالے گئے، مال و دولت سے محروم ہیں، نہ بنگلوں کے مالک ہیں، نہ فوج کے اور نہ سونے چاندی کے خزانے رکھتے ہیں مگر آخرت میں جا کر تم دیکھ لوگے کہ اللہ کی نظر میں اُن کا مقام کتنا بلند ہے اور اُس نے اُن کے لئے اپنے پاس کیسی جگہ مختص کی ہوئی ہے۔ ہمیشہ کی جنت! جس کے بنگلوں اور پودوں کے نیچے نہریں بہتی ہیں، پاکیزہ جوڑے اور اِن سب سے بڑھ کر اللہ کی رضامندی۔ اللہ نے اپنے بندوں کے اعمال اور کیا کرایا دیکھ لیا ہے اور وہ اِن کی صلاحیتوں سے خبر دار ہے پس وہ اِن کو اِن کی صلاحیتوں کا مناسب بدلہ دے دے گا۔

ٱلَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَآ إِنَّنَآ ءَامَنَّا فَٱغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَقِنَا عَذَابَ ٱلنَّارِ ﴿١٦﴾ ٱلصَّٰبِرِينَ وَٱلصَّٰدِقِينَ وَٱلْقَٰنِتِينَ وَٱلْمُنفِقِينَ وَٱلْمُسْتَغْفِرِينَ بِٱلْأَسْحَارِ ﴿١٧﴾

(۱۶)۔ وہ جو کہتے ہیں: اے ہمارے رب! یقیناً ہم ایمان لائے ہیں، تو ہمارے گناہ معاف فرما اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔ (۱۷)۔ وہ صابرین، صادقین، سر جھکانے والے، انفاق کرنے والے اور رات کی آخری گھڑیوں میں مغفرت مانگنے والے بندے۔

(۱۶۔۱۷)۔ یہ مقام اُس کے حصے میں آتا ہے جو ایمان لاتا ہے، آخرت پر یقین رکھتا ہے، دوزخ میں جانے سے ڈرتا ہے اور اللہ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگتا ہے۔ وہ جو ایمان کے بعد سب سے بڑی صفت "صبر" سے متصف ہوتا ہے اور ضبط نفس اور خود حفاظتی (پرہیز گاری) کے ہتھیاروں سے لیس ہو کر، اپنی حدود میں، اپنی انسانی فطرت کے تقاضوں کے اندر، اللہ کی طرف سے مقرر کردہ حدود کے حصار میں رہتا ہے۔ وہ جسے نہ تو نفسانی خواہشات دھوکے میں ڈال سکتی ہیں اور نہ شیطان کے وسوسے، نہ نعمتوں کی کثرت سے گمراہ ہوتا ہے اور نہ ہی محرومیوں کے انبار سے۔ وہ جسے نہ دشمن کی دھمکیاں مرعوب کر سکیں اور نہ مشکلات اور سختیاں اُس کے قدم متزلزل کر سکیں بلکہ وہ اپنی حد اور حق پر قانع رہتے ہوئے اپنے کام میں کسی تھکن اور بیزاری کے احساس سے بیگانہ اور مسلسل مصروفِ عمل ہو۔ صبر کے ساتھ ساتھ اُس میں چار اور صفات موجود ہوں: صادق ہو، اپنی گفتگو میں بھی اور اپنے معاملات میں بھی، اپنے رب کے ہر حکم کے آگے منقاد ہو، اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتا ہو، اپنے گناہوں اور کوتاہیوں کے ازالے کی فکر میں منہمک ہو اور ہر صبح دن کے آغاز سے قبل رات کے اختتام پر اپنے رب سے اپنی گناہوں کی بخشش مانگتا ہو۔

شَهِدَ ٱللَّهُ أَنَّهُۥ لَآ إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ وَٱلْمَلَٰٓئِكَةُ وَأُو۟لُوا۟ ٱلْعِلْمِ قَآئِمًۢا بِٱلْقِسْطِ ۚ لَآ إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ٱلْعَزِيزُ ٱلْحَكِيمُ ﴿١٨﴾ إِنَّ ٱلدِّينَ عِندَ ٱللَّهِ ٱلْإِسْلَٰمُ ۗ وَمَا ٱخْتَلَفَ ٱلَّذِينَ أُوتُوا۟ ٱلْكِتَٰبَ إِلَّا مِنۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ ٱلْعِلْمُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ۗ وَمَن يَكْفُرْ بِـَٔايَٰتِ ٱللَّهِ فَإِنَّ ٱللَّهَ سَرِيعُ ٱلْحِسَابِ ﴿١٩﴾

(۱۸)۔ اللہ نے اِس بات کی شہادت دی ہے کہ اُس کے علاوہ کوئی معبود نہیں، فرشتوں اور عدل پر قائم حاملینِ علم نے بھی۔ اُس زبردست حکیم اللہ کے علاوہ دوسرا کوئی معبود نہیں۔ (۱۹)۔ بے شک اللہ کے نزدیک (مقبول) دین اسلام ہی ہے اور اہلِ کتاب

کا اختلاف تو اُس کے بعد اُبھرا جب اُنہیں علم دیا گیا، آپس میں ضد اور سرکشی کی بدولت اور جو کوئی اللہ کے آیات کا کافر ہو تو یقیناً اللہ بہت جلد محاسبہ کرنے والا ہے۔

---

(۱۸)۔ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں اِس بات کی شہادت دیتا ہے کہ اُس کے علاوہ دوسرا کوئی معبود نہیں ہے۔ فرشتے بھی اِس بات کی شہادت دیتے ہیں اور ہر عادل اور منصف صاحبِ علم بھی اِس کی شہادت دیتا ہے۔ جو کوئی اللہ کے علاوہ کسی اور کو حمد کے قابل سمجھتا ہے، الوہیت اور ربوبیت میں کسی کو اُس کا شریک ٹھہراتا ہے، کسی دوسرے کی عبادت اور اُس سے دعا مانگنا جائز سمجھتا ہے تو اُس کی بات اللہ کی شہادت کے بھی خلاف ہے اور فرشتوں اور منصف علماء کی گواہی کے بھی۔

اِس آیت کی تفسیر اور تشریح میں مفسرین کے درمیان اختلاف موجود ہے۔ اوپر دیا گیا ترجمہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی رائے کے مطابق ہے اور یہی بہتر ہے۔ قائماً بالقسط اولوا العلم کا حال بیان کرنے کے لئے ہے اِس لئے کہ بحث اہلِ کتاب کے مذہبی پیشواؤں کے ساتھ چل رہی ہے، اُنہی کو یہ کہنا مناسب لگتا ہے کہ با انصاف علماء بھی اللہ کی وحدانیت کی گواہی دیتے ہیں۔ نیز آیت کی ترکیب کا بھی یہی تقاضا ہے کہ اِس کا ربط اولوا العلم کے ساتھ ہو۔ قرآنِ کریم میں قائماً بالقسط کے الفاظ اللہ تعالیٰ کے لئے کہیں استعمال نہیں کئے گئے۔

(۱۹)۔ اللہ تعالیٰ کی دانست میں مقبول دین یہی ہے کہ کوئی اللہ اور اُس کے دین کے آگے سرِ تسلیم خم کئے ہوئے ہو۔ دین: یعنی اللہ کے حکم کے آگے جھک جانا، ایک مطیع اور منقاد بندے کی حیثیت سے زندگی گزارنا۔ اہلِ کتاب اِس حیثیت سے اللہ تعالیٰ کے مقبول دین سے اختلاف کئے ہوئے ہیں کہ اُنہوں نے اللہ کے لئے جعلی شریک ڈھونڈ لئے ہیں، اللہ کے علاوہ دوسروں کو عبادت اور تعریف کے قابل سمجھتے ہیں اور اِس لحاظ سے بھی کہ عملاً اللہ کے احکام کے آگے سپر انداز نہیں ہیں اور اللہ کا دین اُن کی زندگی پر حاکم نہیں ہے۔ اُن کا یہ انحراف ناسمجھی کی بدولت نہیں ہے بلکہ عمداً اور سب کچھ جان لینے کے بعد اختلاف کرتے ہیں اور اِن کے اِس اختلاف کی وجہ آپس کی بغی ہے۔ اصل دین کے ساتھ اختلاف اور اُسے مختلف شکل میں پیش کرنا اِس لئے ہے کہ وہ اُسے ایک دوسرے کے حقوق کی حدود پھلانگنے کا ذریعہ بنانا چاہتے ہیں اور تا کہ اِس طرح اُن کے علماء اُن کے عوام کو بیوقوف بنا کر پھسلائیں اور اُن کے مال ہڑپ کر لیں۔

فَإِنْ حَآجُّوكَ فَقُلْ أَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلَّهِ وَمَنِ ٱتَّبَعَنِ ۗ وَقُل لِّلَّذِينَ أُوتُوا۟ ٱلْكِتَـٰبَ وَٱلْأُمِّيِّـۧنَ ءَأَسْلَمْتُمْ ۚ فَإِنْ أَسْلَمُوا۟ فَقَدِ ٱهْتَدَوا۟ ۖ وَّإِن تَوَلَّوْا۟ فَإِنَّمَا عَلَيْكَ ٱلْبَلَـٰغُ ۗ وَٱللَّهُ بَصِيرٌۢ بِٱلْعِبَادِ ﴿٢٠﴾

(۲۰)۔ تو اگر تم سے اُلجھنے لگیں تو کہو: میں اللہ کا مطیع ہو چکا ہوں اور وہ بھی جو میری متابعت کرتے ہیں، اور اہل کتاب اور ناخواندہ (مشرکین) کو کہو: کیا تم بھی اطاعت کرتے ہو؟ تو اگر وہ مطیع ہوتے ہیں تو راہ یاب ہوئے اور اگر اُنہوں نے روگردانی کی تو تمہاری ذمہ داری صرف تبلیغ کی ہے اور اللہ اپنے بندوں کا (حال) خوب دیکھنے والا ہے۔

---

(۲۰)۔ اِن کے بے بنیاد اعتراضات اور احتجاج کی پرواہ نہ کرو اور اِن کے جواب میں کہو کہ میں اور میرے متبعین اللہ تعالیٰ کے مطیع ہیں۔ اگر اہلِ کتاب کے علماء اور ناخواندہ یعنی مشرکین نے بھی اطاعت کی راہ منتخب کی تو ہدایت پا گئے اور اگر روگردانی کی تو اِن کی پرواہ نہ کرو۔ تمہاری ذمہ داری اِن کو حق بات کی طرف بلانا اور اللہ کا پیغام اِن کو پہنچانا ہے، فیصلہ اُس اللہ پر چھوڑو جو اپنے بندوں کے کرتوت خوب دیکھ رہا ہے۔

إِنَّ ٱلَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِـَٔايَـٰتِ ٱللَّهِ وَيَقْتُلُونَ ٱلنَّبِيِّـۧنَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَيَقْتُلُونَ ٱلَّذِينَ يَأْمُرُونَ بِٱلْقِسْطِ مِنَ ٱلنَّاسِ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿٢١﴾

(۲۱)۔ یقیناً وہ لوگ جو اللہ کی آیات کا کفر کرتے ہیں اور اللہ کے پیغمبروں کو ناحق قتل کرتے ہیں اور لوگوں میں سے بھی اُن کو قتل کرتے ہیں جو عدل کا حکم دیتے ہیں، تو اُنہیں دردناک عذاب کی خوشخبری دے دو۔

---

(۲۱)۔ وہ کافر جو اللہ کی آیات کا انکار کرتے ہیں، اللہ کے پیغمبروں کی مخالفت میں اِس حد تک جاتے ہیں کہ اُن کے قتل پر کمربستہ ہو جاتے ہیں اور آمرین بالقسط کو قتل کرتے ہیں بلکہ جو کوئی بھی ظلم کے خلاف آواز اُٹھاتا ہے اور عدل کی طرف بلاتا ہے، یہ اُس کے قتل کے درپے ہو جاتے ہیں۔ اِن میں سے بعض یہ کام اِس لئے کر گزرتے ہیں کہ وہ سمجھتے ہیں کہ اِس طرح وہ اپنے مخالفین کو ڈرا کر اپنے اقتدار کو درپیش خطرات کا سدِباب کر سکیں گے اور یوں اپنی ریاست اور قیادت کی بقا اور دوام کی ضمانت فراہم کر سکیں

گے۔ جبکہ بعض دوسرے یہی کام اِس گمان کے زیرِ اثر کرتے ہیں کہ اِس طرح اپنے "حق مذہب" کا دفاع کر کے وہ اللہ کی رضا اور جنت کے حقدار بن جائیں گے!! مگر اِن کو اِن کے اِس کذب اور دھوکے میں ڈالنے والے انتظار اور گمان کے برعکس دردناک عذاب کی خوشخبری دے دو۔ چھوڑو انہیں کہ مطمئن رہیں؛ اِن کو اِن کے خواہشات کے پورا ہونے کی خوشخبری کبھی نہیں ملے گی۔

أُوْلَٰٓئِكَ ٱلَّذِينَ حَبِطَتۡ أَعۡمَٰلُهُمۡ فِي ٱلدُّنۡيَا وَٱلۡأٓخِرَةِ وَمَا لَهُم مِّن نَّٰصِرِينَ ﴿٢٢﴾

(۲۲)۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے اعمال دنیا اور آخرت میں حبط اور تباہ ہوئے ہیں اور اِن کے لئے کوئی مددگار نہیں ہے۔

(۲۲)۔ اِن کی یہ کدوکاوش دنیا میں بھی رائیگاں چلی جائے گی اور آخرت میں بھی اور نہ ہی وہ کوئی ایسا مددگار پا سکیں گے جو دنیا اور آخرت میں اِن کی شومئ قسمت کا مداوا کر سکے۔ اِن کا کوئی مددگار نہیں ہے، کوئی نہیں جو دل کی گہرائیوں سے اخلاص کے ساتھ اِن کی مدد کرے۔ یہ سب جو آج اِن کی مدد اور ساتھ دینے کے لئے ہاتھ باندھے کھڑے ہیں، بُرا وقت آنے پر اِن میں سے کوئی آگے نہیں آئے گا اور نہ ہی اِن کی مدد اِنہیں کوئی فائدہ پہنچا سکے گی۔

(حبطت اعمالهم في الدنيا و الأخرة) سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنی اِن مخالفتوں سے اِن میں سے بعض کے مدِ نظر دنیوی اہداف ہیں اور بعض کے اُخروی۔

أَلَمۡ تَرَ إِلَى ٱلَّذِينَ أُوتُواْ نَصِيبٗا مِّنَ ٱلۡكِتَٰبِ يُدۡعَوۡنَ إِلَىٰ كِتَٰبِ ٱللَّهِ لِيَحۡكُمَ بَيۡنَهُمۡ ثُمَّ يَتَوَلَّىٰ فَرِيقٞ مِّنۡهُمۡ وَهُم مُّعۡرِضُونَ ﴿٢٣﴾

(۲۳)۔ کیا تو نے اُن کو نہیں دیکھا جنہیں کتاب کا ایک حصہ دیا گیا ہے، پھر وہ کتابُ اللہ کی طرف بلائے جاتے ہیں تاکہ اِن کے درمیان فیصلہ کرے مگر اُن کا ایک گروہ روگردانی کرتا ہے اِس حال میں کہ (عمداً) اعراض کرنے والا ہے۔

(۲۳)۔ یہاں اِن کے علماء کے بارے میں بحث کی گئی ہے۔ وہ جو کتاب کا کوئی حصہ جانتے ہیں یعنی کتاب کا ایک محدود علم حاصل کر چکے ہیں مگر جب اُن کو اپنے معاملات اور تنازعات کے حل و فصل کے لئے اللہ کی کتاب کی طرف رجوع کرنے کی دعوت دی جاتی ہے اور اللہ کی کتاب پر عمل کا کہا جاتا ہے تو اعراض اور روگردانی کرتے ہیں۔

ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمۡ قَالُواْ لَن تَمَسَّنَا ٱلنَّارُ إِلَّآ أَيَّامٗا مَّعۡدُودَٰتٖۖ وَغَرَّهُمۡ فِي دِينِهِم مَّا كَانُواْ يَفۡتَرُونَ ٢٤

(٢٤)۔ یہ اِس وجہ سے کہ کہتے ہیں: ہمیں چند گنے چنے دنوں کے علاوہ (دوزخ کی) آگ نہیں چھو سکے گی، اِن کے افترٰات نے اِن کو دین کے بارے میں دھوکے میں ڈال دیا ہے۔

---

(٢٤)۔ اِنہوں نے اِس لئے اللہ کی کتاب کو پسِ پشت ڈال دیا ہے اور اُس پر عمل کرنا چھوڑ دیا ہے کہ اِن کے گمان کے مطابق جنت اِن کے لئے پیدا کی گئی ہے اور یہ جنت کے لئے اور یہ کہ یہ دوزخ میں نہیں جائیں گے مگر چند محدود دنوں کے لئے۔ یہ اُن کے دھوکے باز مذہبی پیشواؤں نے اُنہیں بتایا تھا؛ ایک طرح کا مذہبی رنگ دے کر: کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں اِس طرح آیا ہے، روایات میں یوں آیا ہے، پیغمبر نے یہ بات کی ہے، وغیرہ وغیرہ۔ اِن افترٰات نے اِنہیں بہکایا، اپنے دین کو سمجھنے سے روکا اور اُس پر عمل کرنے سے تساہل پر اُبھارا۔

فَكَيۡفَ إِذَا جَمَعۡنَٰهُمۡ لِيَوۡمٖ لَّا رَيۡبَ فِيهِ وَوُفِّيَتۡ كُلُّ نَفۡسٖ مَّا كَسَبَتۡ وَهُمۡ لَا يُظۡلَمُونَ ٢٥

(٢٥)۔ تو اُس وقت کیسا حال ہو گا جب ہم اِنہیں اُس دن کے لئے اکٹھا کر دیں گے جس کے آنے میں کوئی شک نہیں ہے اور ہر ایک کو اُس کا کیا کرایا پورا پورا دیا جائے گا اور اُن پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

---

(٢٥)۔ قیامت کے دن یہ دیکھ لیں گے کہ ہر ایک کو اُس کے اعمال اور کمائی پوری کی پوری دی جائے گی یعنی سمجھ جائیں گے کہ فیصلہ تو اعمال کی رو سے کیا جا رہا ہے نہ کہ کسی دوسری چیز کی بناء پر۔ اُس دن یہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے کہ نہ تو پیغمبروں کے ساتھ قومی اور نسلی وابستگی کوئی فائدہ پہنچا سکتی ہے اور نہ اِنہیں دھوکے باز مذہبی پیشواؤں کے جھوٹے فتوے بچا سکتے ہیں۔

قُلِ ٱللَّهُمَّ مَٰلِكَ ٱلۡمُلۡكِ تُؤۡتِي ٱلۡمُلۡكَ مَن تَشَآءُ وَتَنزِعُ ٱلۡمُلۡكَ مِمَّن تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَن تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَن تَشَآءُۖ بِيَدِكَ ٱلۡخَيۡرُۖ إِنَّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيۡءٖ قَدِيرٞ ٢٦ تُولِجُ ٱلَّيۡلَ فِي

ٱلنَّهَارِ وَتُولِجُ ٱلنَّهَارَ فِى ٱلَّيۡلِ‌ۖ وَتُخۡرِجُ ٱلۡحَىَّ مِنَ ٱلۡمَيِّتِ وَتُخۡرِجُ ٱلۡمَيِّتَ مِنَ ٱلۡحَىِّ‌ۖ وَتَرۡزُقُ مَن تَشَآءُ بِغَيۡرِ حِسَابٍ ﴿٢٧﴾

(۲۶)۔ کہو: اے باری تعالیٰ! اقتدار کے مالک! یہ تو ہی ہے کہ جسے چاہے اقتدار کا مالک بنا دے اور جس سے چاہے اقتدار کا "جامہ" اُتار دے، جسے چاہے عزت بخش دے اور جسے چاہے ذلت دے، ہر بھلائی تیرے ہاتھ میں ہے، بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔(۲۷)تُو ہی رات کو دن میں پروتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے، زندہ کو مردہ میں سے نکالتا ہے اور مردہ کو زندہ میں سے اور جسے چاہتا ہے حساب کے بغیر رزق دیتا ہے۔

(۲۶۔۲۷)۔ اِن مبارک آیات میں درج ذیل رہنمائیاں کی گئی ہیں:

- ہر حال میں تمھیں اِس بات پر پختہ ایمان ہونا چاہیے کہ اقتدار کا اصل اور واحد مالک اللہ تعالیٰ ہے۔
- کس کو کتنا اور کیسا اختیار ملنا چاہیے، اِس کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے صادر ہوتا ہے۔
- عزت کی عطا ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سمجھو، خبر دار کسی بھی دوسری جانب سے عزت ملنے کی توقع اور اُمید نہ رکھو، مبادا اقتدار کے حصول کو عزت کا ذریعہ سمجھ بیٹھو۔ بہت سے اقتدار کے مالک ایسے ہیں جو ذلیل اور حقیر ہیں۔
- عزت اور ذلت کا فیصلہ بھی اللہ تعالیٰ ہی کرتا ہے پس اپنی عزت کے لئے اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کا خوف نہ رکھنا۔ اُسی کو ذلیل سمجھنا جو اللہ کے ہاں ذلیل ہے ایسا نہ ہو کہ ناداری اور ناتوانی کو ذلت کی نشانی سمجھ لو۔ بہت سے ایسے ہیں جو پھٹے پُرانے لباس میں ملبوس ہیں مگر اللہ کے ہاں اتنے عزت مند ہیں کہ اُٹھی گردنوں، اونچی پگڑیوں اور بلند و بالا بنگلوں کے مالک اُن کی خاکِ پا کے برابر بھی نہیں ہیں۔
- اللہ کا ہر فیصلہ حکیمانہ ہوتا ہے اور اُس کے ہر فیصلے میں خیر کا پہلو مضمر ہوتا ہے۔ خیر اور بھلائی اللہ کے ہاں اور اُس کے راستے میں تلاش کرو، نہ کہ کسی اور کے پاس اور کسی دوسرے راستے میں۔
- اِس یقین کو کسی حال میں متزلزل نہ ہونے دینا کہ اللہ ہی ہر چیز پر قادر ہے۔ وہ پلک جھپکتے معاشرے کی قیادت اور زعامت ضعیف لوگوں کے حوالے کر سکتا ہے اور زر و زور کے مالکوں کے تاج و تخت اُلٹ سکتا ہے۔ نہ کسی کی طاقت و اقتدار اُس کے فیصلے بدل سکتا ہے اور نہ کسی کی ضعف و ناتوانی اُس کے فیصلوں کو ملتوی کر سکتی ہے۔

- جس طرح رات اور دن اللہ کے ارادے سے ایک عظیم حکمت کے تحت آتے جاتے ہیں اور اِس کام میں اللہ کے علاوہ اِس عالم کی کوئی طاقت کسی قسم کی دخل اندازی نہیں کر سکتی، کوئی بھی طاقت نہ تورات کو کچھ گھٹا سکتی ہے اور نہ دن کو تھوڑا بڑھا سکتی ہے۔ اِسی طرح زندگی اور موت، عزت اور ذلت کا فیصلہ اور اقتدار کی عطا اور سلب کرنا بھی فقط اللہ کے ارادے سے کچھ خاص سنن وضوابط کے مطابق اور خاص مصلحتوں کے پیشِ نظر انجام پاتا ہے۔
- رزق وروزی کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی سنت یہ نہیں ہے کہ کسی کی صلاحیتوں اور استحقاق کے پیشِ نظر اُسے عطا کرے بلکہ اِس بارے میں اُس کی سنت یہ ہے کہ اپنے بندوں کو چاہے کافر ہے یا مسلمان، صالح ہے یا طالح، کسی حساب کے بغیر روزی دیتا ہے۔ اگر کسی کو محاسبے کی رو سے اور بعد اِس کے کہ وہ اپنا استحقاق ثابت کرے، روزی دیتا تو اُس نے کافر، عاصی اور باغی بندوں سے سب کچھ روک لیا ہوتا، پانی جیسے ایک عام دستیاب شے سے بھی اُنہیں محروم کر دیا ہوتا۔ ایسا نہ ہو کہ اُس شخص کی نسبت جو رزق اور روزی کے لئے حرام راستوں پر چل پڑا ہے اور ظلم، حد سے تجاوز، خیانت اور دوسرے حرام راستوں سے بہت کچھ حاصل کر چکا ہے؛ یہ گمان کر بیٹھو کہ اللہ کا محبوب ہے اور کسی خاص صلاحیت واستحقاق کی بناء پر اُسے یہ سب کچھ حاصل ہے۔ ایسا نہ ہو کہ سرمایہ دار کو عزت کا مالک سمجھ لو اور نادار کو حقیر وذلیل۔ جان رکھو کہ لاتعداد دولتمند ایسے ہیں جو اللہ کے نزدیک حقیر اور ذلیل ہیں اور لاتعداد نادار ایسے ہیں جو اللہ کے نزدیک بڑی عزت کے مالک ہیں۔

لَّا يَتَّخِذِ ٱلْمُؤْمِنُونَ ٱلْكَٰفِرِينَ أَوْلِيَآءَ مِن دُونِ ٱلْمُؤْمِنِينَ ۖ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ ٱللَّهِ فِى شَىْءٍ إِلَّآ أَن تَتَّقُوا۟ مِنْهُمْ تُقَىٰةً ۗ وَيُحَذِّرُكُمُ ٱللَّهُ نَفْسَهُۥ ۗ وَإِلَى ٱللَّهِ ٱلْمَصِيرُ ﴿٢٨﴾

(۲۸)۔ مومنوں کو زیب نہیں دیتا کہ مومنوں کے علاوہ کافروں کو دوست بنائیں اور جو کوئی ایسا کام کرے گا وہ کسی طور اللہ کے ساتھ نہیں ہے مگر یہ کہ اُن سے بچاؤ کی تدبیر کے طور پر کرے۔ اور اللہ تو تمہیں اپنی ذات سے ہوشیار (خبردار) کرتا ہے اور پلٹ کر جانا تو اللہ ہی کی طرف ہے۔

---

(۲۸)۔ مومنوں کو چاہیے کہ صرف مومنوں سے دوستی رکھیں اور اُن کے علاوہ دوسرے لوگوں کو دوست نہ بنائیں یعنی کافروں کے ساتھ دوستی نہ کریں۔ جو کوئی بھی کافروں کے ساتھ دوستی کرے گا اُس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ سارے تعلق توڑ ڈالے اور اللہ کے حزب سے نکل چکا، نہ اللہ کے دین کے حلقہ میں شامل رہا اور نہ اللہ کے ساتھ اُس کا کوئی تعلق باقی رہ گیا۔ ہاں اگر کبھی ایسا ہو کہ

کافروں کے ہاتھ لگ جائے اور کسی شدید خطرے سے دوچار ہو۔ وہ اُسے مار ڈالنے پر تُلے ہوئے ہوں اور اِس حال میں یہ اُن کے ڈر سے دوستی کا کلمہ کہہ ڈالے، یعنی کوئی ایسی بات جس کی بنیاد پر وہ دوست سمجھ کر اُسے چھوڑ دیں اور یوں اُن کے شر سے نجات حاصل کرے تو ایسی سخت اضطراری حالت میں تمہیں ایسے الفاظ کہہ دینے کی اجازت دی گئی ہے۔ ایسے سخت حالات میں اللہ تعالیٰ اسلام سے انکار حتیٰ کہ کلمہ کفر کہہ ڈالنے پر بھی تمہاری گرفت نہیں کرتا۔ مگر ایسی حالت میں بھی چند باتیں گرہ میں باندھ لیں:

- بجائے دشمن کے اللہ کا خوف کریں۔ اگر اپنے دین پر اصرار کرنے کے نتیجے میں مارے جاتے ہو تو کیا ہوا، موت تو ویسے بھی آنی ہے، اپنے رب کی طرف پلٹنا تو یوں بھی ہے؛ کیا بہتر نہیں ہے کہ یہ پلٹنا شہادت کی موت کے نتیجے میں ہو۔
- اِن سے آپ کا خوف اتنا شدید نہیں ہونا چاہیے کہ اللہ کے خوف پر غالب آجائے اور آپ سے وہ کچھ کروالے جس کی اللہ تعالیٰ نے اجازت نہیں دی مثلاً یہ کہ کسی مسلمان کا قتل یا اسلام اور مسلمانوں کے نقصان پر آمادہ ہو جانا۔

یہ مبارک آیت اگر ہمیں ایک طرف یہ ہدایت دیتی ہے کہ کافروں کی دوستی سے احتراز کریں اِس لئے کہ اِن کے ساتھ دوستی کے سبب اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہمارے سارے تعلق ٹوٹتے ہیں۔ تو دوسری طرف حالتِ خوف میں، جہاں ایک مسلمان اُن کے ہاتھ آگیا ہو اور وہ اُس کے مارنے پر تُلے ہوئے ہوں تو اُسے اجازت دیتی ہے کہ دشمن کو دوستی اور ساتھ دینے کی بات کر ڈالے۔ مگر اِس شرط پر کہ مسلمانوں اور اسلام کو نقصان نہ پہنچائے بلکہ صرف اپنی جان بچانے کے لئے کوئی حیلہ اور چارہ تلاش کرے۔ یہ رخصت اُس کے ضعف، ناتوانی اور مجبوری کو مدِ نظر رکھتے ہوئے دی گئی ہے، عزیمت اور مضبوط ایمان کا تقاضا پھر بھی یہی ہے کہ اُس حالت میں بھی ثبات واستقامت کا راستہ اختیار کرے، اپنے ایمان پر جمارہے اور دشمن کے بجائے اکیلے اللہ کا خوف رکھے۔ یہ بات ذہن میں رکھے کہ موت اُس کی زندگی کا اختتام نہیں بلکہ دوسری زندگی کا آغاز ہے اور یہ کہ یہ موت اُسے اللہ ہی کے پاس لے جارہی ہے۔

افسوس کا مقام ہے کہ بعض لوگ اِس آیت کا سہارا لے کر منافقت، دورخی اور دھوکہ فریب کو "تقیہ" کے نام سے جائز قرار دے دیتے ہیں اور ہر کسی کے ساتھ ہر حالت میں یہ "تقیہ" جائز سمجھتے ہیں حالانکہ قرآن کے رو سے دورُخی اور دھوکہ دہی حرام ہے۔ اسلام دشمن کو بھی دھوکہ دینا ناجائز قرار دیتا ہے۔ پیغمبر علیہ السلام کی موجودگی میں ایک عورت نے اپنے بچے سے کہا ادھر آؤ میں تمہیں ایک چیز دیتی ہوں۔ آپؐ نے پوچھا: کیا دینا چاہتی تھی؟ اُس عورت نے کہا: میں کھجور دینا چاہتی تھی۔ پیغمبر علیہ السلام نے کہا: اگر کچھ دینا مقصود نہ ہوتا تو یہ تمہارے اعمال نامے میں جھوٹ کے طور پر لکھ دیا جاتا۔

اِس مبارک آیت سے یہ مذہبی فرقہ جو تعبیر و تفسیر اخذ کرتا ہے وہ انتہائی بے بنیاد ہے۔ اِس تعبیر کی بدولت، دھوکہ اور فریب کو "تقیہ" کا نام دیا جاتا ہے۔ جو کوئی اِس قسم کے تقیے کا معتقد ہوتا ہے اُس کی ہر بات کے بارے میں لوگ یہی گمان کرتے ہیں کہ ممکن ہے یہ "تقیہ" ہو اور دل میں اصلی بات کوئی اور ہو۔ کسے معلوم کہ اِس کی کونسی بات سچی اور مبنی بر صداقت ہے اور کونسی تقیہ کی بنیاد پر کہی جا رہی ہے۔

اِس آیت سے دو باتیں نہایت صراحت کے ساتھ ظاہر ہوتی ہیں:

- یہ حکم کافروں سے تعلقات کے متعلق ہے نہ کہ ہر کسی سے۔
- اِس میں دی گئی رخصت حالت اضطرار کی رخصت ہے، ویسے ہی جیسے سخت مخمصے کی حالت میں حرام گوشت کھانے کی اجازت۔

قُلۡ إِن تُخۡفُواْ مَا فِي صُدُورِكُمۡ أَوۡ تُبۡدُوهُ يَعۡلَمۡهُ ٱللَّهُۗ وَيَعۡلَمُ مَا فِي ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَمَا فِي ٱلۡأَرۡضِۗ وَٱللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيۡءٖ قَدِيرٞ ﴿٢٩﴾

(۲۹)۔ اِنہیں کہو کہ: اگر تم اپنی دل کی باتیں چھپالو اور یا ظاہر کر دو، اللہ کو اُن کا علم ہے اور وہ سب کچھ جو آسمانوں میں ہے، وہ اُنہیں جانتا ہے اور وہ کچھ بھی جو زمین میں ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

---

(۲۹)۔ جو کچھ تمہیں کافروں کے ساتھ دوستی پر اُکساتا ہے اُسے اگر آپ چھپالیں یا ظاہر کر دیں، اللہ تعالیٰ اُسے جانتا ہے۔ تم جو بات کافروں سے اپنی جان بچانے کے لئے کہتے ہو اور جو دل میں ٹھانی ہوتی ہے، چاہے وہ کلمہ کفر پر راضی ہونا ہو یا اُس سے نفرت اور اپنے عقیدے پر مضبوطی، اللہ اُسے بھی جانتا ہے۔

یہ بات جان لو کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے، اگر وہ چاہے اور تمہارے لئے اِس میں بھلائی ہے تو جس شدید خطرے کی حالت میں تم گھِر گئے ہو اُس میں سے تمہیں بحفاظت نکال لے گا۔ چاہے تم اپنے ایمان پر اصرار بھی کر لو اور کافروں کے سامنے اُس بات کے کہنے سے اجتناب ہی کر لو جس کا کہنا بظاہر تمہارے بچنے کا سبب بن سکتا ہے۔

يَوۡمَ تَجِدُ كُلُّ نَفۡسٍ مَّا عَمِلَتۡ مِنۡ خَيۡرٍ مُّحۡضَرًا وَمَا عَمِلَتۡ مِن سُوٓءٍ تَوَدُّ لَوۡ أَنَّ بَيۡنَهَا وَبَيۡنَهُۥٓ أَمَدَۢا بَعِيدًا ۗ وَيُحَذِّرُكُمُ ٱللَّهُ نَفۡسَهُۥ ۗ وَٱللَّهُ رَءُوفُۢ بِٱلۡعِبَادِ ﴿٣٠﴾

(۳۰)۔ وہ دن جب ہر کوئی اپنی کی ہوئی بھلائی اپنے سامنے موجود دیکھ لے گا اور جو برائیاں کی ہوں گی وہ بھی، وہ آرزو کرے گا کہ کاش اُس کے اور اُس (بُرائی) کے درمیان کوسوں کی دوری ہوتی، اور اللہ اپنی ذات سے تمہیں ہوشیار (خبردار) کرتا ہے اور اللہ اپنے بندوں پر بڑا رؤف اور مہربان ہے۔

(۳۰)۔ اگرچہ یہاں خیر اور سوء کا ذکر عام ہے اور ہر اچھے اور بُرے کام پر اِس کا اطلاق ہو سکتا ہے یعنی یہ کہ قیامت کے دن ہر شخص اپنے نیک اعمال کو اپنے سامنے موجود پائے گا اور اُس کا کوئی اچھا عمل ضائع نہیں ہو گا اور اپنے بُرے اعمال کے بارے میں ہر ایک کہے گا کہ کاش وہ اِس عمل سے بہت دور رہا ہوتا اور اُس کے قریب بھی کبھی نہ پھٹکا ہوتا۔ تاہم پچھلی آیت کے تناظر میں اِس کا معنٰی یہ ہے کہ اُس خطرناک حالت میں اپنے ایمان پر ثابت قدم رہنے والا اپنے اُس ثبات کو قیامت کے دن اپنے رب کے پاس موجود پائے گا اور جس نے کسی غلط بات کا سہارا لیا ہو گا تو وہاں اُس پر شرمندہ ہو گا اور کہے گا: کاش یہ بات میرے منہ سے کبھی نہ نکلی ہوتی، کاش میں اِس غلطی سے دور رہ گیا ہوتا۔ پس اللہ سے ڈرو، وہ تمہیں اکیلا نہیں چھوڑے گا وہ اپنے بندوں پر بہت ترس کھانے والا مہربان ہے۔

کتاب کے بارے میں بحث کے بعد اب پیغمبروں کے بارے بحث شروع ہوتی ہے یعنی یہ کہ وہ کون ہیں، اُن کی ذمہ داریاں کیا ہیں اور اُن کا مقام و منزلت کیا ہے۔

پیغمبروں کے بارے میں معاندین کہا کرتے تھے کہ: اگر یہ خدا کی طرف سے آئے ہوتے تو اِنہیں غیب پر آگاہ اور ہر کام پر قادر ہونا چاہیے تھا اور کسی کو اِن کی مخالفت کی ہمت نہیں ہونی چاہیے تھی۔ اِن کے جلو میں فرشتوں کے پرے موجود ہونے چاہیئے تھے اور اِن کے اختیار میں سونے چاندی کے خزانے۔ مگر جب دیکھا کہ پیغمبر تو اِن کی طرح انسان اور بشر ہیں نہ اُن کو غیب کا کوئی علم ہوتا ہے اور نہ ہی وہ امورِ کائنات میں متصرف ہیں؛ نہ اُن کے جلو میں فرشتے ہیں اور نہ اُن کے اختیار میں کوئی خزانے ہیں۔ مخالفین کبھی اُن کو تنگ کرتے ہیں اور کبھی اُن کے دوستوں کو مگر وہ نہ اپنا دفاع کسی خارقِ عادت طریقے سے کر سکتے ہیں نہ اپنے دوستوں کا؛ تو اُنہوں نے ایمان لانے سے انکار کیا۔

وَقَالُواْ لَن نُّؤۡمِنَ لَكَ حَتَّىٰ تَفۡجُرَ لَنَا مِنَ ٱلۡأَرۡضِ يَنۢبُوعًا ﴿٩٠﴾ أَوۡ تَكُونَ لَكَ جَنَّةٞ مِّن نَّخِيلٖ وَعِنَبٖ فَتُفَجِّرَ ٱلۡأَنۡهَٰرَ خِلَٰلَهَا تَفۡجِيرًا ﴿٩١﴾ أَوۡ تُسۡقِطَ ٱلسَّمَآءَ كَمَا زَعَمۡتَ عَلَيۡنَا كِسَفًا أَوۡ تَأۡتِيَ بِٱللَّهِ

وَٱلْمَلَـٰٓئِكَةِ قَبِيلاً ﴿٩٢﴾ أَوْ يَكُونَ لَكَ بَيْتٌ مِّن زُخْرُفٍ أَوْ تَرْقَىٰ فِى ٱلسَّمَآءِ وَلَن نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتَّىٰ تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتَـٰبًا نَّقْرَؤُهُۥ ۗ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّى هَلْ كُنتُ إِلَّا بَشَرًا رَّسُولاً ﴿٩٣﴾ وَمَا مَنَعَ ٱلنَّاسَ أَن يُؤْمِنُوٓاْ إِذْ جَآءَهُمُ ٱلْهُدَىٰٓ إِلَّآ أَن قَالُوٓاْ أَبَعَثَ ٱللَّهُ بَشَرًا رَّسُولاً ﴿٩٤﴾ قُل لَّوْ كَانَ فِى ٱلْأَرْضِ مَلَـٰٓئِكَةٌ يَمْشُونَ مُطْمَئِنِّينَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِم مِّنَ ٱلسَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُولاً ﴿٩٥﴾ الاسراء ۹۰-۹۵

اور انہوں نے کہا اُس وقت تک تم پر ایمان نہیں لائیں گے جب زمین سے کوئی چشمہ جاری نہ کر دو یا تمہارے لئے کھجوروں اور انگوروں کا ایک ایسا باغ نہ ہو جس کے درمیان نہریں جاری کر دو۔ یا جس طرح تم گمان رکھتے ہو یہ آسمان ہم پر گرا ڈالو یا اللہ اور فرشتے ہمارے روبرو کھڑے کرالاؤ اور یا تمہارے لئے سونے چاندی کا گھر ہو اور یا آسمان پر چڑھ جاؤ اور تمہارا چڑھنا بھی اُس وقت تک نہیں مانتے جب تک کوئی ایسی لکھی ہوئی کتاب نہ لے آؤ جسے ہم پڑھ سکیں۔ اِنہیں کہو: سبحان اللہ! مگر میں ایک فرستادہ انسان کے علاوہ اور کیا ہوں؟ اور ہدایت آجانے کے بعد اور کسی چیز نے لوگوں کو ایمان لانے سے منع نہیں کیا مگر یہ کہ کہتے تھے: کیا اللہ نے ایک انسان کو پیغمبر کے طور پر مبعوث کیا ہے۔ اِنہیں کہو: اگر زمین پر فرشتے بستے اور اطمینان سے چلتے پھرتے ہوتے تو اللہ ضرور کوئی فرشتہ پیغمبر بنا کر بھیجتا۔

یہ تھا پیغمبروں کا انکار کرنے والوں کا استدلال، مگر اِن کے برعکس دوسرے ایسے بھی تھے جن کا اپنے پیغمبروں کے متعلق کچھ ایسا گمان تھا کہ کہتے تھے: ہمارا پیغمبر عالم الغیب تھا۔ کائنات کے امور میں تصرف کر سکتا تھا۔ اللہ نے اُسے مخصوص اختیارات تفویض کر رکھے تھے اور یہ کہ ہم وہ پیغمبر نہیں مانتے جو اِس قسم کی صلاحیتیں نہیں رکھتا۔

اِن دونوں گروہوں کے بے بنیاد اوہام اور غلط گمانوں کی تردید کے لئے یہاں پیغمبروں کے بارے میں انتہائی جامع اور دقیق بحث کی گئی ہے اور اُن کی حقیقت بیان کی گئی ہے۔ بحث درج ذیل آیت سے شروع ہوتی ہے:

قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ ٱللَّهَ فَٱتَّبِعُونِى يُحْبِبْكُمُ ٱللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ۗ وَٱللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٣١﴾ قُلْ أَطِيعُواْ ٱللَّهَ وَٱلرَّسُولَ ۖ فَإِن تَوَلَّوْاْ فَإِنَّ ٱللَّهَ لَا يُحِبُّ ٱلْكَـٰفِرِينَ ﴿٣٢﴾

(۳۱)۔ اِنہیں کہو: اگر واقعی اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری متابعت کرو تاکہ اللہ تم سے محبت کرے اور تمہارے لئے تمہارے گناہ معاف فرمائے اور اللہ نہایت مہربان بخشنے والا ہے۔(۳۲) اِنہیں کہو: اللہ اور پیغمبر کی اطاعت کرو۔ پس اگر اِنہوں نے رخ پھیر لیا تو اللہ کافروں سے محبت نہیں کرتا۔

(۳۱۔۳۲)۔ اللہ کے ساتھ محبت کا دعویٰ اُس شخص کا مانا جاسکتا ہے جو عملاً پیغمبر کی متابعت کرتا ہے۔ وہ شخص جو پیغمبر کی متابعت نہیں کرتا اُس سے نہ تو اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے اور نہ وہ اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتا ہے؛ اللہ کا ولی اور دوست وہی ہے جو اپنے اعمال میں اللہ کے پیغمبر کی متابعت کرتا ہے۔ اللہ اور پیغمبر کی اطاعت ایمان کی نشانی ہے اور عدم متابعت کفر کی۔

إِنَّ ٱللَّهَ ٱصۡطَفَىٰٓ ءَادَمَ وَنُوحٗا وَءَالَ إِبۡرَٰهِيمَ وَءَالَ عِمۡرَٰنَ عَلَى ٱلۡعَٰلَمِينَ ﴿٣٣﴾ ذُرِّيَّةَۢ بَعۡضُهَا مِنۢ بَعۡضٖۗ وَٱللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٣٤﴾

(۳۳)۔ یقیناً اللہ نے آدم، نوح، آلِ ابراہیم اور آلِ عمران کو تمام عالموں والوں پر فضیلت دے کر منتخب کیا(رسالت کے لئے)۔(۳۴) ایک دوسرے کی اولاد، اور اللہ خوب جاننے والا سننے والا ہے۔

(۳۳۔۳۴)۔ اللہ تعالیٰ نے تاریخ کے مختلف ادوار میں بہت سی ایسی شخصیتیں منتخب کی ہیں جنہیں اُس نے دوسروں کی رہنمائی کی ذمہ داری سونپی۔ اُن کو خصوصی استعدادات دی گئیں اور اُنہی کی بدولت اللہ تعالیٰ نے اُن کو دوسروں پر فضیلت بخشی۔ آدم علیہ السلام، نوح علیہ السلام، ابراہیم علیہ السلام اور اُن کی اولاد، اور عمران کی اولاد اِس سلسلے کی کڑیاں ہیں۔ اِن کی فضیلت کی وجہ یہ نہیں تھی کہ وہ انسانوں کی کسی خاص نوع سے تعلق رکھتے تھے۔ نہیں! بلکہ وہ اِسی طرح انسانوں کی مانند ایک دوسرے سے پیدا ہونے والے انسان تھے۔ اِن کی فضیلت کی وجہ یہ تھی کہ اِن کے اندر اپنی اُس عظیم ماموریت کے حسن و خوبی کے ساتھ انجام دینے کی صلاحیتیں موجود تھیں جو انسانوں کی رہنمائی اور ہدایت کے بابت اللہ تعالیٰ نے اُن کے حوالے کی تھی۔ سمیع اور علیم اللہ جانتا ہے کہ اُن کے بارے میں لوگ کیا عقیدہ رکھتے ہیں اور کیا کہتے ہیں یعنی یہ کہ اللہ جانتا ہے کہ یہود اور نصاریٰ اپنے پیغمبروں کے بارےے میں کیا کیا عقائد رکھتے ہیں اور اُن کے بارے میں کیا کچھ کہتے ہیں۔

إِذْ قَالَتِ ٱمْرَأَتُ عِمْرَٰنَ رَبِّ إِنِّى نَذَرْتُ لَكَ مَا فِى بَطْنِى مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّىٓ ۖ إِنَّكَ أَنتَ ٱلسَّمِيعُ ٱلْعَلِيمُ ﴿٣٥﴾ فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ إِنِّى وَضَعْتُهَآ أُنثَىٰ وَٱللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ وَلَيْسَ ٱلذَّكَرُ كَٱلْأُنثَىٰ ۖ وَإِنِّى سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ وَإِنِّىٓ أُعِيذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ ٱلشَّيْطَٰنِ ٱلرَّجِيمِ ﴿٣٦﴾ فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُولٍ حَسَنٍ وَأَنۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا وَكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ۖ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا ٱلْمِحْرَابَ وَجَدَ عِندَهَا رِزْقًا ۖ قَالَ يَٰمَرْيَمُ أَنَّىٰ لَكِ هَٰذَا ۖ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِندِ ٱللَّهِ ۖ إِنَّ ٱللَّهَ يَرْزُقُ مَن يَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿٣٧﴾

(۳۵)۔ اُس وقت جب عمران کی بیوی نے کہا: اے میرے رب! میرے رحم میں جو کچھ ہے وہ میں تیرے لئے نذر مانتی ہوں، (دوسرے ہر کام سے) چھڑا کر، تو مجھ سے اِسے قبول فرما، بے شک تو نہایت جاننے والا سننے والا ہے۔ (۳۶) تو جب وہ زچگی سے گزری تو کہا: اے میرے رب! میری تو لڑکی پیدا ہوئی! اور اللہ خوب جانتا ہے کہ اُس کے ہاں کیا تولد ہوا اور مرد تو عورت کی مانند نہیں ہوتا! اور میں نے اُس کا نام مریم رکھا اور میں اُسے اور اُس کی اولاد کو شیطان مردود سے تمہاری پناہ میں دیتی ہوں۔ (۳۷) تو اُس کے رب نے اُسے پسندیدگی سے قبول فرمایا اور اُس کی اچھی پرورش کی اور زکریاؑ کو اُس کا سرپرست (کفیل) بنایا، جب بھی زکریاؑ اُس کی عبادت کی جگہ میں داخل ہوتا تھا تو اُس کے پاس رزق پاتا تھا، کہتا تھا: اے مریم! یہ (چیزیں) کہاں سے آئیں؟ وہ کہتی: یہ اللہ کی طرف سے ہیں، بے شک اللہ جسے چاہتا ہے حساب کے بغیر رزق دیتا ہے۔

(۳۵۔۳۷)۔ مریم کی ماں، عمران کی بیوی حاملہ تھی۔ اُس نے اللہ تعالیٰ کے حضور وعدہ کیا کہ اپنا بچہ اللہ کی راہ میں وقف کرے گی، وہ منتظر تھی کہ اللہ اُسے بیٹا عطا کرے گا اور اُسے وہ اللہ کے دین کی خدمت کے لئے وقف کرے گی۔ مگر اللہ نے اُسے بیٹی سے نوازا تو اُس نے کہا: اے میرے رب! یہ تو بیٹی ہے مجھے تو بیٹے کی اُمید تھی، مرد تو عورت کی مانند نہیں ہوتا، عورت کی کچھ محدودیتیں (Limitations) ہوتی ہیں جن سے وہ فطرتاً دوچار ہوتی ہیں۔ میں نے اِس کا نام مریم (اللہ کی بندی اور خدائی خدمتگار) رکھ دیا اور اِسے تمہارے حوالے کرتی ہوں، اِسے اور اِس کی اولاد کو شیطان مردود سے اپنے حفظ و امان میں رکھنا۔ اللہ تعالیٰ خوب جانتا تھا کہ اُس نے کیا جنا ہے پس اُس نے اُس کی یہی نذر قبول فرمالی۔ اُس کی بہتر پرورش کا انتظام فرمایا اور اُسے زکریا علیہ السلام کی نگہداشت اور کفالت میں دے دیا۔ جب بھی پرورش کے دوران زکریا علیہ السلام اُس کے رہنے کی جگہ میں داخل ہوتا تھا تو اُس کے پاس بے موسم کے پھل دیکھتا تھا۔ جب اُس سے پوچھ لیا کہ یہ کہاں سے

آتے ہیں تو مریم نے جواب دیا: یہ اللہ کی طرف سے ہیں، وہ جسے چاہتا ہے حساب کے بغیر روزی دیتا ہے۔ میں ایسے رزق کی مستحق نہیں ہوں، یہ اللہ کی نوازش ہے جو وہ مجھے میرے کسی استحقاق یا صلاحیت کی وجہ سے نہیں بلکہ حساب کے بغیر دیتا ہے۔ یہاں اور قرآن کے کئی دوسرے مقامات میں بھی (یرزق من یشاء بغیر حساب) کا یہی معنیٰ ہے۔ (بغیر حساب) کا درست اور دقیق ترجمہ (حساب کے بغیر یا حساب سے ماوراء) ہے نہ کہ بے حساب (بسیار)؛ اور مریم کے جواب میں تو اِس کا بے حساب ترجمہ کرنا ہے بھی نہایت ہی نامناسب۔ زکریا علیہ السلام بے اولاد تھے، وہ خود اور اُن کی زوجہ عمر کے اُس حصے میں داخل ہو چکے تھے جب اولاد کی اُمید ختم ہو جاتی ہے مگر جب دیکھ لیا کہ اللہ بغیر موسم کے بھی پھل دے دیتا ہے تو اُسے اُمید پیدا ہو گئی کہ ہو سکتا ہے وہ مجھے بھی بے موسم اولاد سے نواز دے۔

هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهُۥ ۖ قَالَ رَبِّ هَبْ لِي مِن لَّدُنكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۖ إِنَّكَ سَمِيعُ ٱلدُّعَآءِ ﴿٣٨﴾

(۳۸)۔ تو یہیں پر زکریا نے اپنے رب سے دعا مانگی، اور کہا: اے میرے رب! اپنی طرف سے مجھے پاکیزہ اولاد عطا فرما، بے شک تو دعاؤں کا خوب سننے والا ہے۔

---

(۳۸)۔ مریم کی پاکیزگی نے اُس میں پاکیزہ اولاد کی خواہش بیدار کر دی اور اُسے بے موسم کے پھل ملنے کے منظر نے آپؑ کے دل میں اُمید پیدا کر دی کہ آپؑ کو بھی اِس بڑھاپے میں اولاد نصیب ہو جائے گی۔

فَنَادَتْهُ ٱلْمَلَـٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ يُصَلِّي فِي ٱلْمِحْرَابِ أَنَّ ٱللَّهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيَىٰ مُصَدِّقًۢا بِكَلِمَةٍ مِّنَ ٱللَّهِ وَسَيِّدًا وَحَصُورًا وَنَبِيًّا مِّنَ ٱلصَّـٰلِحِينَ ﴿٣٩﴾

(۳۹)۔ تو ایسی حالت میں کہ وہ محراب میں کھڑا نماز پڑھ رہا تھا، فرشتوں نے صدا دی کہ اللہ تمہیں یحییٰ کی خوشخبری دیتا ہے، جو ایک الٰہی کلمے کی تصدیق کرنے والا، سردار اور اپنی حفاظت کرنے والا (پرہیز گار)، اور صالحین کے گروہ میں سے ایک نبی ہو گا۔

---

(۳۹)۔ پاکیزہ اولاد کی آس لگائے ہوئے ایک صالح باپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرشتوں کے ذریعے ایک ایسے بیٹے کی خوشخبری دی جاتی ہے جو اللہ کے ایک پیغمبر کا مؤید ہو گا، فکری اور اخلاقی لحاظ سے ایک سالار اور رہبر ہو گا، (آلودگیوں سے) اپنے آپ کو حفاظت میں رکھنے والا ہو گا، صالح ہو گا اور خود بھی پیغمبری پر مبعوث کیا جائے گا۔ ایسے ہی ہوتے ہیں پیغمبر اور ایسی ہی ہوتی ہیں اُن کی صفات۔

قَالَ رَبِّ أَنَّىٰ يَكُونُ لِي غُلَٰمٌ وَقَدْ بَلَغَنِيَ ٱلْكِبَرُ وَٱمْرَأَتِي عَاقِرٌ ۖ قَالَ كَذَٰلِكَ ٱللَّهُ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ﴿٤٠﴾ قَالَ رَبِّ ٱجْعَل لِّيٓ ءَايَةً ۖ قَالَ ءَايَتُكَ أَلَّا تُكَلِّمَ ٱلنَّاسَ ثَلَٰثَةَ أَيَّامٍ إِلَّا رَمْزًا ۗ وَٱذْكُر رَّبَّكَ كَثِيرًا وَسَبِّحْ بِٱلْعَشِيِّ وَٱلْإِبْكَٰرِ ﴿٤١﴾

(۴۰)۔ آپؑ نے کہا: اے میرے رب! میرے ہاں کس طرح بیٹا پیدا ہو گا؟ اِس حال میں کہ بڑھاپا سر پر ہے اور میری بیوی بانجھ ہے۔ اُنہوں نے کہا: اللہ تو اِسی طرح، جو چاہتا ہے کر دیتا ہے۔ (۴۱) آپؑ نے کہا: اے میرے رب! میرے لئے کوئی نشانی مقرر فرمادے، فرمایا تمہارے لئے نشانی یہ ہے کہ تین دن تک سوائے اشارے کے، لوگوں سے بات نہیں کر سکو گے اور اپنے رب کو کثرت سے یاد کرو اور صبح و شام تسبیح پڑھا کرو۔

(۴۰۔۴۱)۔ یہ ہے اللہ کا ایک پیغمبر، ایک دوسرے پیغمبر کا دالد اور مریم علیہا السلام کا مُربی! اِس سے آپ اُس کے معنوی مقام کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ مگر اِس کے باوجود اُس کو علم نہیں ہے کہ اُس کے شاگرد کو غیب سے روزی مل رہی ہے۔ آپؑ کو یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ اللہ بے موسم کے پھل اور بے موسم کے اولاد عطا کرتا ہے اور جب اللہ نے فرشتوں کے ذریعے خوشخبری دی تو بھی یہ اندازہ نہیں کر سکتا تھا کہ اُس کا بیٹا کب پیدا ہو گا۔ لہٰذا درخواست کی کہ اُسے بیٹے کی پیدائش کے دنوں کی نشانی اور علامت بتا دی جائے۔ یہ بات نجران کے عیسائیوں اور دوسرے اُن تمام لوگوں کو، جو پیغمبروں اور صالحین کے بارے میں عالم الغیب ہونے کا گمان رکھتے ہیں، کہی گئی ہے کہ یہ ایک عظیم غلط فہمی ہے۔ یعنی پیغمبروں کے بارے میں یہ گمان رکھنا کہ وہ عالم الغیب ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے اُنہیں اپنے اقتدار میں شریک کر رکھا ہے، بعض کاموں کے اختیارات اُنہیں تفویض کر رکھے ہیں اور وہ لوگوں کی حاجتیں پوری کر سکتے ہیں؛ ایک عظیم غلطی ہے۔ کیا دیکھتے نہیں ہو کہ زکریا علیہ السلام کی طرح عظیم شخصیت جن کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بیٹے کی خوشخبری دی گئی تھی، اِس فکر میں غلطاں تھا کہ یہ کیسے اور کب ہو گا، نشانی اور علامت کا محتاج تھا!! آپ خوب جانتے ہیں کہ یہی دو غلط گمان (عالم الغیب ہونا، اور خدائی اُمور میں متصرف ہونا) ہر مشرکانہ مذہب کی بنیاد ہوتے ہیں۔ اسی سے بتوں کی بھی پرستش جنم لیتی ہے اور قبروں کی بھی۔

وَإِذۡ قَالَتِ ٱلۡمَلَـٰٓئِكَةُ يَـٰمَرۡيَمُ إِنَّ ٱللَّهَ ٱصۡطَفَىٰكِ وَطَهَّرَكِ وَٱصۡطَفَىٰكِ عَلَىٰ نِسَآءِ ٱلۡعَـٰلَمِينَ ﴿٤٢﴾ يَـٰمَرۡيَمُ ٱقۡنُتِي لِرَبِّكِ وَٱسۡجُدِي وَٱرۡكَعِي مَعَ ٱلرَّـٰكِعِينَ ﴿٤٣﴾ ذَٰلِكَ مِنۡ أَنۢبَآءِ ٱلۡغَيۡبِ نُوحِيهِ إِلَيۡكَۚ وَمَا كُنتَ لَدَيۡهِمۡ إِذۡ يُلۡقُونَ أَقۡلَـٰمَهُمۡ أَيُّهُمۡ يَكۡفُلُ مَرۡيَمَ وَمَا كُنتَ لَدَيۡهِمۡ إِذۡ يَخۡتَصِمُونَ ﴿٤٤﴾

(۴۲)۔ اور جب فرشتوں نے کہا: اے مریم! بے شک اللہ نے تمہیں چُن لیا ہے اور پاک کیا ہے اور تمہیں دنیا کی تمام خواتین پر فضیلت بخشی ہے۔ (۴۳) اے مریم اپنے رب کی فرمان بردار رہو، سجدہ کرو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرتی رہو۔ (۴۴) یہ غیب کی کچھ باتیں ہیں جو ہم تمہیں وحی کرتے ہیں اور تم اُس وقت اُن کے قریب موجود نہیں تھے جب وہ اپنی قلمیں ڈال رہے تھے تا کہ (معلوم کریں کہ) کون مریم کی کفالت کرے گا اور اُس وقت بھی اُن کے قریب نہیں تھے جب وہ آپس میں اُلجھ رہے تھے۔

(۴۲۔۴۴)۔ یہ غیب کی باتیں ہیں اِنہیں پیغمبر علیہ السلام از خود اور اپنے علم سے نہیں بلکہ وحی کے ذریعے جان سکا ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ بذات خود یا اپنے علم کے ذریعے وہاں موجود رہا ہو اور براہ راست یہ سب کچھ دیکھ چکا ہو اور یوں اِس پر خبر دار ہو کر اب لوگوں کو بتا رہا ہو۔ آپؐ نہ اُن کے جھگڑنے کے وقت وہاں موجود تھے اور نہ اُس وقت جب وہ پانی میں اپنی قلمیں پھینک کر مریم کی کفالت کے معاملے پر قرعہ ڈال رہے تھے، بلکہ اللہ تعالیٰ آپؐ کو یہ باتیں بذریعہ وحی بتا رہا ہے۔ پیغمبروں کو وحی کے ذریعے غیب کے بارے جو کچھ بتایا گیا ہے اور اب اُن کو دی گئی کتابوں میں درج ہے یہ اُن کا علمِ غیب نہیں ہے، وحی کے ذریعے حاصل شدہ علم کو علمِ غیب نہ سمجھیں؛ اکثر لوگ مغالطے میں پڑ کر اِسے بھی علمِ غیب سمجھنے لگ جاتے ہیں۔ جبکہ مشرکین تو اپنے پیروں، بزرگوں اور جعلی خداؤں تک کے بارے میں ایسا ہی کہتے ہیں۔ اُن کے بارے میں گمان رکھتے ہیں کہ وہ ہر جگہ حاضر رہتے ہیں اور تمام پوشیدہ حقائق جانتے ہیں۔ یہ آیات اِس بے بنیاد عقیدے کی بیخ کنی کرتی ہیں۔

إِذْ قَالَتِ ٱلْمَلَٰٓئِكَةُ يَٰمَرْيَمُ إِنَّ ٱللَّهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ ٱسْمُهُ ٱلْمَسِيحُ عِيسَى ٱبْنُ مَرْيَمَ وَجِيهًا فِى ٱلدُّنْيَا وَٱلْءَاخِرَةِ وَمِنَ ٱلْمُقَرَّبِينَ ﴿٤٥﴾ وَيُكَلِّمُ ٱلنَّاسَ فِى ٱلْمَهْدِ وَكَهْلًا وَمِنَ ٱلصَّٰلِحِينَ ﴿٤٦﴾

(۴۵)۔ اُس وقت جب فرشتوں نے کہا: اے مریم! بے شک اللہ تمہیں ایک الٰہی کلمے کی بشارت دیتا ہے، جس کا نام مسیح عیسیٰ ابنِ مریم ہو گا، دنیا اور آخرت میں ذی وجاہت اور مقربین میں سے ہو گا۔ (۴۶) اور لوگوں سے گہوارے میں اور بوڑھا ہو کر بھی، بات کرے گا اور صالحین میں سے ہو گا۔

---

(۴۵)۔ پچھلی آیت میں پیغمبر کی یہ صفت بیان ہوئی تھی کہ وہ خود علمِ غیب نہیں رکھتا مگر اللہ تعالیٰ وحی کے ذریعے غیب کی بعض باتیں اُسے بتا دیتا ہے۔ یہاں اُس کی یہ صفات بتائی گئی ہیں کہ وہ دنیا اور آخرت میں ذی وجاہت اور مانا ہوا، اور اللہ کا مقرب بندہ ہو گا۔

(۴۶)۔ تمہارا بیٹا بچپن میں بھی لوگوں سے اُسی طرح بات کر سکے گا جیسے بڑھاپے میں، یہ اُس کا معجزہ ہو گا اور وہ صالح بندوں میں سے ہو گا۔

اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو جوانی ہی میں اپنی طرف اُٹھا لیا۔ قیامت سے قبل آپؑ کو دوبارہ دنیا میں بھیجے گا اور آپؑ اپنی باقی عمر پوری کریں گے؛ یوں آپؑ بڑھاپے میں بھی لوگوں سے بات کر لیں گے۔ اِس آیت میں اِس حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

قَالَتْ رَبِّ أَنَّىٰ يَكُونُ لِى وَلَدٌ وَلَمْ يَمْسَسْنِى بَشَرٌ ۖ قَالَ كَذَٰلِكِ ٱللَّهُ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۚ إِذَا قَضَىٰٓ أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُۥ كُن فَيَكُونُ ﴿٤٧﴾

(۴۷)۔ اُس نے کہا: اے میرے رب! میرا کس طرح بیٹا ہو گا جب کہ مجھے کسی بشر نے نہیں چھوا۔ اُس نے کہا: ایسے ہی ہے، اللہ جو چاہتا ہے پیدا کر دیتا ہے؛ وہ جب کسی کام کا فیصلہ کر لیتا ہے تو اُسے کہتا ہے ہو جا، سو وہ ہو جاتا ہے۔

(۴۷)۔ مریم علیہا السلام کو پتہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اُسے لڑکا دے گا اور یہ بھی نہیں جانتی کہ کیسے دے گا۔ رہی یہ بات کہ باپ کے بغیر بھی اولاد پیدا ہو سکتی ہے، تو یہ تو اُس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔ لہٰذا ارشاد ہوا: اللہ جب چاہے تو ایسے بھی پیدا کر دیتا ہے یعنی باپ کے بغیر بھی۔ اللہ تعالیٰ جب کسی کام کا فیصلہ کر لیتا ہے تو اُس کا حکم ہی کافی ہوتا ہے۔ اُس کے حکم کی ساتھ ہی بغیر کسی تاخیر کے وہ کام انجام پا جاتا ہے۔

وَيُعَلِّمُهُ ٱلۡكِتَٰبَ وَٱلۡحِكۡمَةَ وَٱلتَّوۡرَىٰةَ وَٱلۡإِنجِيلَ ﴿٤٨﴾ وَرَسُولًا إِلَىٰ بَنِيٓ إِسۡرَٰٓءِيلَ أَنِّي قَدۡ جِئۡتُكُم بِـَٔايَةٖ مِّن رَّبِّكُمۡ ۖ أَنِّيٓ أَخۡلُقُ لَكُم مِّنَ ٱلطِّينِ كَهَيۡـَٔةِ ٱلطَّيۡرِ فَأَنفُخُ فِيهِ فَيَكُونُ طَيۡرَۢا بِإِذۡنِ ٱللَّهِ ۖ وَأُبۡرِئُ ٱلۡأَكۡمَهَ وَٱلۡأَبۡرَصَ وَأُحۡيِ ٱلۡمَوۡتَىٰ بِإِذۡنِ ٱللَّهِ ۖ وَأُنَبِّئُكُم بِمَا تَأۡكُلُونَ وَمَا تَدَّخِرُونَ فِي بُيُوتِكُمۡ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَأٓيَةٗ لَّكُمۡ إِن كُنتُم مُّؤۡمِنِينَ ﴿٤٩﴾ وَمُصَدِّقٗا لِّمَا بَيۡنَ يَدَيَّ مِنَ ٱلتَّوۡرَىٰةِ وَلِأُحِلَّ لَكُم بَعۡضَ ٱلَّذِي حُرِّمَ عَلَيۡكُمۡ ۚ وَجِئۡتُكُم بِـَٔايَةٖ مِّن رَّبِّكُمۡ فَٱتَّقُواْ ٱللَّهَ وَأَطِيعُونِ ﴿٥٠﴾ إِنَّ ٱللَّهَ رَبِّي وَرَبُّكُمۡ فَٱعۡبُدُوهُ ۗ هَٰذَا صِرَٰطٞ مُّسۡتَقِيمٞ ﴿٥١﴾

(۴۸)۔ اور اُسے کتاب، حکمت، تورات اور انجیل سکھا دے گا۔ (۴۹) اور بنی اسرائیل کی طرف ایک رسول، اُنہیں کہے گا کہ تمہارے رب کی طرف سے ایک نشانی تمہارے پاس لایا ہوں۔ وہ یہ کہ میں تمہارے لئے مٹی سے پرندے کا مجسمہ بناتا ہوں پھر اُس میں پھونکتا ہوں تو وہ اللہ کے اِذن سے ایک زندہ پرندہ ہو جائے گا اور اللہ کے حکم سے مادر زاد اندھوں اور کوڑیوں کو صحتمند اور مردوں کو زندہ کرتا ہوں اور اُن چیزوں کی بابت بتا سکتا ہوں جو تم اپنے گھروں میں کھاتے اور جو ذخیرہ کرتے ہو۔ بے شک اِس میں تمہارے لئے واضح نشانی ہے اگر تم مومن ہو۔ (۵۰) اور اُس تورات کی تصدیق کرنے والا ہوں جو مجھ سے پیشتر تھی اور تاکہ وہ چیزیں جو تم پر حرام کی گئی ہیں تمہارے لئے حلال قرار دوں۔ اور تمہارے رب کی طرف سے واضح نشانی تمہارے پاس لایا ہوں، تو اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ (۵۱) بے شک میرا اور تمہارا رب اللہ ہے، پس اُسی کی عبادت کرو یہی سیدھا راستہ ہے۔

(۴۸۔۵۱)۔ عیسیٰ علیہ السلام کو تورات اور انجیل کا علم دیا گیا تھا، بنی اسرائیل کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجے گئے تھے اور آپ کو واضح معجزے دیئے گئے تھے۔ گارے سے پرندے کی صورت بنا لیتے تھے اور اُس میں پھونک مارتے تھے تو وہ واقعی پرندہ بن جاتا تھا۔

مادر زاد اندھا اور کوڑھی آپؑ کے دعا سے ٹھیک ہو جاتے تھے اور حتیٰ کہ مردے بھی زندہ ہو جاتے تھے۔ آپؑ لوگوں کے ایسے سوالات کا جواب دے سکتے تھے کہ وہ کیا کھائے گا اور کیا ذخیرہ کرے گا، آج کی اور کل کی خوراک کا بھی بتا سکتے تھے۔ مگر آپؑ خود سے لوگوں پر یہ بات واضح کر دیا کرتے تھے کہ یہ میرا کام نہیں ہے بلکہ یہ سب کچھ میں اللہ تعالیٰ کے اِذن سے انجام دیتا ہوں۔ یہ میری رسالت کی نشانیاں ہیں جو کہ شہادت دیتی ہیں کہ میں اللہ کا پیغمبر ہوں۔ میری دعوت وہی ہے جو موسیٰ علیہ السلام کی تھی اور میں تورات کی تصدیق کرنے والا ہوں۔ تم لوگوں نے تورات سے روگردانی کی ہے، تمہارے مذہبی پیشواؤں نے اپنی مرضی سے تورات کی تعلیمات کے خلاف بہت سی چیزیں تم پر حرام کر رکھی ہیں اور بہت سی چیزوں کا اضافہ کر دیا ہے، میں آیا ہوں کہ یہ اضافی بوجھ تمہارے کندھوں سے اُتار دوں۔ میں اِن تمام باتوں پر تمہارے رب کی طرف سے واضح نشانیاں اور دلائل لایا ہوں اور میرے پیغام کا خلاصہ یہ ہے کہ: اللہ کا خوف کرو اور میری اطاعت کرو۔ اللہ میرا بھی معبود ہے اور تمہارا بھی پس اُسی کی عبادت کرو اِس لئے کہ یہی صراطِ مستقیم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کی جائے۔

اِن مبارک آیات کی چند بنیادی رہنمائیاں اور قابلِ غور نکات درج ذیل ہیں:

- پیغمبروں کے معجزے اُن کا ذاتی عمل نہیں ہوتا، یہ اللہ کا کرنا اور اُن کی رسالت کی نشانیاں ہوتی ہیں۔
- پیغبروں کی دعوت کا خلاصہ یہ ہے کہ خدائے واحد کی عبادت ہوتی رہے۔ وہ صرف اِسی کو صراط مستقیم کہتے ہیں اور اِسی کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ سورۃِ فاتحہ میں صراطِ مستقیم سے مراد وہی ہے جو اُسی سورت کے چوتھی آیت میں فرمایا گیا ہے: ہم صرف تمہاری عبادت کرتے ہیں اور تمہی سے مدد مانگتے ہیں۔
- انبیاء علیہم السلام ایک دوسرے کی تائید اور پشت پناہی کرتے ہیں۔ موجود پیغمبر اپنے پیشرو کی تصدیق کرتا ہے اور اپنے بعد آنے والے کی خوشخبری دیتا ہے۔ گمراہ سیاسی پیشواؤں کی طرح نہیں ہوتے کہ برسرِ اقتدار لیڈر اپنے پیش روؤں کو بھی موردِ الزام ٹھہراتا ہے اور جو اُس کے ہم عصر ہوتے ہیں اُن کو ختم کرنے کے بھی درپے ہوتا ہے۔
- پیغمبر کی ایک بنیادی ذمہ داری یہ ہے کہ لوگوں کے کندھوں سے اضافی بوجھ اُتار دے اور اُن کے ہاتھ پاؤں میں پڑی زنجیریں توڑ دے۔ اضافی بوجھ وہ ذمہ داریاں ہیں جو دھوکے باز مذہبی پیشوا اپنی طرف سے لوگوں پر لازم کئے ہوئے ہوتے ہیں اور اُسے دین اور مذہب کا رنگ دیا ہوتا ہے جبکہ زنجیروں سے مراد وہ اضافی حدود و قیود ہیں جو اُنہوں نے اپنی طرف سے وضع کی ہوئی ہوتی ہیں مگر اُنہیں مذہبی لبادہ پہنایا ہوتا ہے۔ اِس سے پتہ چلتا ہے کہ دین میں انحراف اِس سے جنم لیتا ہے کہ ایک یا دوسرے طریقے سے لوگوں کے بوجھ بڑھا دیئے جائیں اور حلال چیزیں حرام قرار دے کر اُن کے ہاتھ پاؤں میں زنجیریں ڈال دی جائیں۔

۞ فَلَمَّآ أَحَسَّ عِيسَىٰ مِنْهُمُ ٱلْكُفْرَ قَالَ مَنْ أَنصَارِىٓ إِلَى ٱللَّهِ ۖ قَالَ ٱلْحَوَارِيُّونَ نَحْنُ أَنصَارُ ٱللَّهِ ءَامَنَّا بِٱللَّهِ وَٱشْهَدْ بِأَنَّا مُسْلِمُونَ ﴿٥٢﴾ رَبَّنَآ ءَامَنَّا بِمَآ أَنزَلْتَ وَٱتَّبَعْنَا ٱلرَّسُولَ فَٱكْتُبْنَا مَعَ ٱلشَّٰهِدِينَ ﴿٥٣﴾

(۵۲)۔ تو جب عیسیٰ نے اُن کے کفر کو بھانپ لیا تو کہا: تم میں سے کون ہے جو اللہ کی راہ میں میرا ساتھ دیتا ہے؟ آپؑ کے حواریوں نے کہا: ہم ہیں اللہ کے ساتھی، ہمارا اللہ پر ایمان ہے اور آپؑ گواہ رہیں کہ ہم مسلمان ہیں۔ (۵۳) اے ہمارے رب! ہم اُس چیز پر ایمان لاتے ہیں جو تو نے بھیجا ہے، پیغمبر کی متابعت کرتے ہیں سو شاہدوں کی فہرست میں ہمارا نام لکھ دے۔

(۵۲۔۵۳)۔ جب عیسیٰ علیہ السلام نے بھانپ لیا کہ بنی اسرائیل نے کفر کا راستہ اپنایا ہوا ہے اور اِن تمام معجزات کے باوجود ایمان نہیں لاتے، تو کہا: میں اللہ کی طرف جا رہا ہوں اِس سفر میں کون میرا ساتھ دینے کے لئے تیار ہے؟ جہاد کی ضرورت ہے تم میں سے کون اِس جہاد میں میرا ساتھ دینا چاہتا ہے؟ آپؑ کے مخلص دوستوں نے کہا: ہم اللہ کے ساتھی بننے پر تیار ہیں اور آپؑ کے ساتھ اللہ کی طرف بڑھنے اور اللہ کی راہ پر سفر اور جہاد کے لئے تیار ہیں؛ یہ دعوت دراصل جہاد پر نکلنے کے معنوں میں تھی۔ اِس طرح اللہ تعالیٰ ایک طرف تو یہ حقیقت بیان کر رہا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کی مانند ایک اولوالعزم پیغمبر اپنے تمام بڑے بڑے معجزوں کے ہوتے ہوئے بھی انصار اور ساتھ دینے والوں کی تلاش میں ہے۔ اُن چند مخصوص کاموں کے علاوہ وہ باقی امور معجزوں کے ذریعے انجام نہیں دے سکتا بلکہ اُنہیں اللہ کے عام اور جاری و ساری سنن کے مطابق انجام دیتا ہے نہ کہ خارقِ عادت طریقوں سے۔ دوسری طرف پیغمبر پر ایمان رکھنے والوں کی صفات بتائی جا رہی ہیں کہ پیغمبر پر واقعی اور مخلصانہ ایمان رکھنے والے ایسے ہوتے ہیں جیسے عیسیٰ علیہ السلام کے مخلص ساتھی۔ اُن کی کچھ باتیں اِس طرح نقل کی گئی ہیں:

- تمہارا ساتھ در حقیقت اللہ کا ساتھ دینا ہے۔
- ہم کتاب پر ایمان رکھتے ہیں۔
- ہماری بس اتنی ہی آرزو ہے کہ ہمارے نام شاہدوں کی فہرست میں لکھے جائیں۔ اُن لوگوں کی فہرست میں جن کی ہاتھوں میں ہدایت کی شمعیں روشن ہیں۔ جن کے روز و شب دیکھ کر لوگ رہنمائی حاصل کرتے ہیں کہ حق کیا ہے اور حقیقی دین کونسا ہے؟ اُنہی کو دیکھ کر سیکھتے ہیں کہ اللہ کے بارے میں کیا عقیدہ رکھنا چاہیے، اُس کی عبادت کس

طرح کی جانی چاہیے اور کس طرح ایک مخلص انسان کی طرح جینا چاہیے ؟ اُن لوگوں کی فہرست میں جو خود، اُن کی فکر، عقیدہ اور عملی زندگی دوسروں کے لئے شاہد کی حیثیت رکھتے ہیں۔
دوسری طرف یہ ہمیں بتاتی ہے کہ اپنی دعوت کے آخری مرحلے پر عیسیٰ علیہ السلام نے جہاد کا فیصلہ فرمایا تھا اور اپنے متبعین سے کہا تھا کہ اِس جہاد میں کون میرے ساتھ نکلنے پر تیار ہے ؟ قرآن کی ایک اور آیت بھی یہی مطلب بیان کرتی ہے۔ فرماتا ہے:

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ كُونُوٓاْ أَنصَارَ ٱللَّهِ كَمَا قَالَ عِيسَى ٱبۡنُ مَرۡيَمَ لِلۡحَوَارِيِّـۧنَ مَنۡ أَنصَارِيٓ إِلَى ٱللَّهِۖ قَالَ ٱلۡحَوَارِيُّونَ نَحۡنُ أَنصَارُ ٱللَّهِۖ فَـَٔامَنَت طَّآئِفَةٞ مِّنۢ بَنِيٓ إِسۡرَٰٓءِيلَ وَكَفَرَت طَّآئِفَةٞۖ فَأَيَّدۡنَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ عَلَىٰ عَدُوِّهِمۡ فَأَصۡبَحُواْ ظَٰهِرِينَ ﴿١٤﴾ الصف ۱۴

اے ایمان والو! اللہ کے ایسے انصار بنو، جس طرح عیسیٰ ابنِ مریم نے اپنے حواریوں سے کہا: کون اللہ کی جانب (سخت سفر میں) میرا ساتھی بنتا ہے ؟ حواریوں نے کہا ہم اللہ کے انصار ہیں، تو بنی اسرائیل کے ایک گروہ نے ایمان قبول کیا اور دوسرا کافر بنا، پس ہم نے مومنوں کو دشمنوں پر فتح بخشی اور وہ بالا دست اور غالب ہوئے۔

یہ آیت سورہ الصف میں آئی ہے جس میں جہاد کے بارے میں بحث کی گئی ہے۔ اِس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے ساتھیوں سے جہاد میں ساتھ دینے کا مطالبہ کیا تھا۔

بائیبل کے بیان سے بھی پتہ چلتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام جنگل میں روپوش ہوئے، رومی حکومت نے آپؑ کی تلاش کی مہم شروع کی، عیسیٰؑ کے ساتھیوں میں سے ایک منافق نے جس کا نام یہوداتھا آپؑ کی پناہ گاہ کا پتہ دشمن کو بتایا، بائیبل کا بیان ہے کہ:....اِس وقت یہودا اپنے بہت سے ساتھیوں کے ہمراہ جن کے ہاتھوں میں تلوار، دُرے اور لکڑیاں تھیں؛ آپہنچا، .... خائن شاگرد نے دوسروں کو بتایا تھا: میں جس کا بوسہ لوں، وہی عیسیٰ ہے اُسے پکڑ لو، تو یہودا سیدھا عیسیٰ کے پاس گیا اور کہا: اُستاد سلام! اور اُسے چوم لیا، ایک شاگرد نے تلوار نکالی اور بڑے کاہن کے غلام کا کان ایک وار میں کاٹ ڈالا.... بائیبل کے اِس بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اپنے مسلح ساتھیوں کے ساتھ ایک جنگل میں روپوش تھے۔

جس طرح اوپر دی گئی آیات میں آپ دیکھتے ہیں کہ انصار اللہ کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں جن کا معنیٰ "اللہ کے مددگار" ہے؛ بعض مفسرین اِس کا ترجمہ یوں کرتے ہیں کہ "اللہ کے دین کے مددگار"۔ دین کا کلمہ بڑھا دیتے ہیں اور یہ اِس لئے کہ وہ کہتے ہیں اللہ مدد کا محتاج نہیں ہے۔ مگر نہ تو یہ ترجمہ درست ہے اور نہ ہی یہ اضافہ کرنا اور کوئی چیز مقدر ماننا؛ اللہ تعالیٰ نے

اپنے راستے کے مجاہدین کے لئے یہی نام پسند فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں بھی اُن کو اِسی نام سے بلایا ہے اور دوسرے جگہوں میں بھی۔ ایسے میں ہمیں کیا حق حاصل ہے کہ اِس میں تبدیلی لائیں اور انصار اللہ کے بجائے انصارِ دینِ اللہ کہیں۔ احتیاط کا تقاضا تو یہ ہے کہ ہم قرآن کا ہر لفظ اپنی جگہ پر رہنے دیں۔

اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی ہدایت اور رہنمائی کے لئے اپنی قدرت سے کام لینے اور اُن کو مجبور کرنے کے بجائے پیغمبروں کے ہاتھ کتاب بھیج کر اُن کو سیدھا راستہ دکھانے کے لئے وعظ و نصیحت کا طریقہ پسند فرمایا ہے۔ اُس کے بندوں میں سے جو یہ کام کرتے ہیں وہ در حقیقت اللہ کا ساتھ دیتے ہیں اِس لئے اللہ نے اُن کے لئے یہی نام پسند فرمایا ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے کسی کو جند اللہ کا نام دیا ہوا ہے، کسی کو حزب اللہ کا، حالانکہ وہ نہ جند کا محتاج ہے اور نہ حزب کا، اِسی طرح اپنی راہ کے مجاہدین کے لئے اُس نے انصار اللہ کا نام پسند فرمایا ہے۔ پس ہم اِس بات کے مکلف ہیں اور یہی ادب کا تقاضا بھی ہے کہ اُنہیں اِنہی ناموں سے یاد کریں۔

وَمَكَرُواْ وَمَكَرَ ٱللَّهُ ۖ وَٱللَّهُ خَيْرُ ٱلْمَٰكِرِينَ ﴿٥٤﴾

(۵۴)۔ اور اِنہوں نے چھُپی تدبیر چلائی اور اللہ نے بھی چھُپی تدبیر کی اور اللہ تو سب سے بہتر تدبیر کرنے والا ہے۔

---

(۵۴)۔ یہودیوں نے عیسیٰ علیہ السلام کے بہت سارے ساتھی قتل کر ڈالے، پھانسی پر لٹکائے، اُن کے ہاتھ پیروں میں میخیں ٹھونک دیں اور اُنہیں آگ میں جلایا۔ آخر میں اُنہوں نے خود عیسیٰ علیہ السلام کے مارنے اور آپؑ کو صلیب دینے کا فیصلہ کر لیا مگر اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص تدبیر سے آپؑ کو بچالیا۔ اِس بے رحمانہ سلوک اور اِس کے مقابل عیسیٰ علیہ السلام اور اُن کے ساتھیوں کے انتہائی صبر و برداشت اور اپنے دین پر استقامت کے مظاہرے کا فطری نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ لوگوں نے اُن کا راستہ اپنایا، اُن کے دین کو برحق سمجھا اور بے رحم یہودیوں کے لئے اُن کے دلوں میں نفرت اور بغض کے جذبات پیدا ہوئے۔ یہود کے دھوکے باز پیشواؤں نے جس مقصد کے لئے عیسیٰ علیہ السلام اور اُن کے ساتھیوں پر ظلم و جبر کے پہاڑ توڑے، وہ در حقیقت اپنی قیادت و سیادت قائم رکھنا اور ناجائز فائدوں کا حصول تھا، وہی جو وہ مذہب کے نام پر حاصل کرتے تھے۔ اپنے اِن سب کرتوتوں کو اُنہوں نے مذہب کے دفاع کا نام دیا اور یہ سارے ظلم مذہب ہی کے نام پر روا رکھے۔ دین اُن کی دکان تھی، چاہتے تھے کہ لوگ عیسیٰ علیہ السلام کا دین قبول نہ کریں تاکہ اُن کی دکان کھلی رہے اور اُن کی تجارت کا وہ بازار ماند نہ پڑ جائے جس میں وہ دین فروشی کا دھندہ جاری رکھے ہوئے تھے۔ اگرچہ وہ دین کو دنیا کے عوض بیچے جا رہے تھے؛ مگر نتائج اُن کے اِس مکر اور خفیہ تدبیر کے برعکس نکل

آئے، یہ تھی اللہ کی وہ خفیہ تدبیر جو اُن کے اِن چالوں کی مقابل چلائی گئی۔ اگلی آیت سے مزید وضاحت ہو جاتی ہے کہ یہی وہ الٰہی تدبیر تھی۔

إِذْ قَالَ ٱللَّهُ يَٰعِيسَىٰٓ إِنِّى مُتَوَفِّيكَ وَرَافِعُكَ إِلَىَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ وَجَاعِلُ ٱلَّذِينَ ٱتَّبَعُوكَ فَوْقَ ٱلَّذِينَ كَفَرُوٓا۟ إِلَىٰ يَوْمِ ٱلْقِيَٰمَةِ ۖ ثُمَّ إِلَىَّ مَرْجِعُكُمْ فَأَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيمَا كُنتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ﴿٥٥﴾ فَأَمَّا ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ فَأُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا فِى ٱلدُّنْيَا وَٱلْءَاخِرَةِ وَمَا لَهُم مِّن نَّٰصِرِينَ ﴿٥٦﴾ وَأَمَّا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ وَعَمِلُوا۟ ٱلصَّٰلِحَٰتِ فَيُوَفِّيهِمْ أُجُورَهُمْ ۗ وَٱللَّهُ لَا يُحِبُّ ٱلظَّٰلِمِينَ ﴿٥٧﴾

(۵۵)۔جب اللہ نے فرمایا: اے عیسیٰ! میں تمہیں فوت کرنے والا ہوں اور اپنی طرف اُٹھانے والا ہوں اور کافروں سے تم کو پاک کرنے والا اور قیامت تک کافروں پر اُن لوگوں کو بالا دستی دینے والا ہوں جنہوں نے تمہاری متابعت کی، پھر تم کو میری طرف لوٹنا ہے، تو تمہارے درمیان اُس چیز کا فیصلہ کر دوں گا جس میں تم اختلاف کر رہے تھے۔(۵٦) تو وہ جو کافر ہوئے انہیں دنیا اور آخرت میں شدید عذاب کی سزا دوں گا اور اُن کا کوئی مددگار نہ ہوگا۔(۵۷) مگر وہ جو ایمان لائے اور نیک اعمال کئے تو اُن کو پورا پورا اجر ملے گا اور اللہ تو ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔

(۵۵۔۵۷)۔رافعک الي سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ اپنی طرف اُٹھانے کی بات کی ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر متوفیک سے کیا مراد ہوا؟ توفی کا لغوی معنیٰ پورا کرنا اور انجام دینا ہے، موت پر اِس کا اطلاق مجازی ہے۔ اپنے اصل معنیٰ میں اِسے قرآن میں کئی جگہ استعمال کیا گیا ہے۔ یہاں اِس کا معنیٰ یہ ہے کہ تمہاری ذمہ داری مکمل ہوگئی ہے، تمہارا کام پورا ہو گیا ہے مزید ضرورت نہیں رہی، تمہاری ماموریت ختم کر کے میں تمہیں اپنے پاس بلاتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی چھپی ہوئی تدبیر کر ڈالی۔ عیسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ اب تمہاری ذمہ داری ختم کرتا ہوں، تمہیں اپنے پاس بلاتا ہوں اور اِن گندے پلید کافروں کے ہجوم سے نکال لاتا ہوں۔ اِن کے گندے معاشرے کی گھٹن اب تمہارے لئے ناقابلِ برداشت ہو گئی ہے یہاں سانس لینا بھی تمہارے لئے محال ہے مگر مطمئن رہو تمہارے متبعین قیامت تک اِن کے اوپر بالادست

رہیں گے اور قیامت کے دن تمہارے درمیان اختلافات کا آخری فیصلہ میں کروں گا۔ کافروں کا انجام دنیا اور آخرت میں اللہ کا شدید عذاب ہے؛ نہ دنیا میں کوئی انہیں شدید عذاب سے بچا سکے گا اور نہ آخرت میں۔ لوگوں کی توجہ حاصل کرنے کے لئے اِنہوں نے جو جو تدبیریں کی ہیں اور جھوٹ کا سہارا لے کر کہتے رہے ہیں کہ ہم اللہ کے لئے اور دین کے دفاع کی خاطر عیسیٰ علیہ السلام کی مخالفت کرتے ہیں۔ میں اِن کی یہ تمام کوششیں اکارت کر دوں گا اور مومن اپنے ایمان اور نیک اعمال کا بدلہ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی پوری طرح پالیں گے اور اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔ یہ آخری فقرہ کئی مطالب بیان کرتا ہے:

- اللہ تعالیٰ ظالموں کو پسند نہیں کرتا، تو ظاہر ہے کہ اپنے بندے پر ظلم بھی نہیں کرتا۔ پس وہ مومنوں اور صالح بندوں کا اجر کسی صورت ضائع نہیں ہونے دے گا۔
- گمان نہ رکھو کہ کافروں کو موقع اور مہلت دینا اور کبھی کبھی وقتی بالا دستی اور غلبہ دینا اِس وجہ سے ہے کہ اللہ کو اُن کا کوئی عمل پسند آ گیا ہے جس کے نتیجے میں یہ غلبہ اُنہیں نصیب ہوا ہے۔ ایسا قطعی نہیں ہے؛ در حقیقت اِن کی تمام ظاہری کامیابیاں اِن کی دائمی ناکامیوں کا مقدمہ ہوتے ہیں۔ جس طرح کہ یہودیوں کے لئے عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں کے اوپر وقتی بالا دستی اُن کی دائمی لعنت اور ذلت کا باعث بنی۔

ذَٰلِكَ نَتۡلُوهُ عَلَيۡكَ مِنَ ٱلۡأٓيَٰتِ وَٱلذِّكۡرِ ٱلۡحَكِيمِ ﴿٥٨﴾

(۵۸)۔ یہی اُن آیات اور حکیمانہ پند و نصیحت کا ایک حصہ ہے جو ہم تم پر پڑھتے ہیں۔

---

(۵۸)۔ اِس عبرتناک قصے میں حکمت سے بھرپور رہنمائیاں اور نشانیاں ہیں؛ اے پیغمبر! تمہارے لئے بھی اور تمہاری اُمت کے لئے بھی۔ ملاحظہ کریں کہ تمہارے پیشرو مومنوں کے ساتھ کیا پیش آتا رہا ہے اور اللہ تعالیٰ نے کس طرح حق کے دشمنوں کو نامرادی اور تباہی سے دوچار کیا ہے؟ اور کس طرح باطل کو زائل اور حق کو غالب کیا ہے؟

إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِندَ ٱللَّهِ كَمَثَلِ ءَادَمَۖ خَلَقَهُۥ مِن تُرَابٖ ثُمَّ قَالَ لَهُۥ كُن فَيَكُونُ ﴿٥٩﴾ ٱلۡحَقُّ مِن رَّبِّكَ فَلَا تَكُن مِّنَ ٱلۡمُمۡتَرِينَ ﴿٦٠﴾

(۵۹)۔ یقیناً عیسیٰ کی مثال اللہ کے نزدیک آدم کے مثال کی مانند ہے، جسے اُس نے مٹی سے بنایا پھر اُسے کہا: ہو جا تو وہ ہو گیا۔
(۶۰) یہ تمہارے رب کی طرف سے حق ہے تو شک کرنے والوں میں سے نہ ہونا۔

(۵۹۔۶۰)۔اِن آیات میں ایک طرف مسیحیوں سے کہا گیا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کو کیا اِس لئے خدا یا خدا کا بیٹا سمجھتے ہو کہ اُس کی پیدائش خارق عادت طریقے سے ہوئی تھی۔ کیا اُس کا صرف ماں سے پیدا ہو جانا اِس بات کی نشانی سمجھتے ہو کہ اُسے انسان نہیں بلکہ مافوق الانسان سمجھا جائے۔ اگر ایسا ہے تو اِس صورت میں پھر آدم علیہ السلام کی پیدائش کو کیا کہو گے؟ وہ تو اِس سے بھی زیادہ خارقِ عادت پیدائش تھی، اِس کی تو ماں موجود ہے، آپ خود بھی مانتے ہیں کہ مریم رضی اللہ عنہا سے پیدا ہوا مگر اُس کی تو نہ ماں تھی نہ باپ۔ پھر اُسے کیوں انسان اور اِسے خدا سمجھتے ہو؟ کوئی بھی صاحبِ عقل یہی کہے گا کہ عیسیٰ علیہ السلام تو اِس لئے بھی انسان ہے کہ ایک انسان سے پیدا ہوا اور انسان ہی سے جنم لے کر اِس دنیا میں آیا۔ ایک دوسرے سے پیدا ہونے والی چیزیں اپنی ذات میں ایک جیسی ہوتی ہیں تو پھر اگر تم مریم رضی اللہ عنہا کو انسان سمجھتے ہو تو اُس کے بیٹے کو تو ظاہر ہے کہ انسان کے علاوہ اور کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ نہیں تو مریم کے تمام اجداد کو خدا ماننا پڑے گا تا کہ مریم اور عیسیٰ علیہما السلام کو خدائی میں شریک کر سکو۔ کیا کوئی بھی عقل و شعور رکھنے والا یہ مان سکتا ہے کہ انسان سے پیدا ہونے والا ایک ایسا انسان جو دوسروں کی طرح کھاتا پیتا ہو، اُسے بھوک پیاس لگتی ہو، سردی گرمی کا احساس کرتا ہو، جاگتا اور سوتا ہو، روتا اور ہنستا ہو، چھوٹا تھا رفتہ رفتہ بڑا ہوا، جوان ہوا، بہت تھوڑے لوگوں نے اُس کی دعوت قبول کی، اکثریت اُس کی مخالفت پر کمربستہ ہوئی، مخالفین کے ظلم و جبر کا شکار رہا، اُس کے دوست مار ڈالے گئے، پھانسی پر چڑھائے گئے، آگ میں پھینکے گئے اور یہ اُن کو بچانے پر بھی قادر نہیں ہو سکا؛ ایک مافوق الانسان ہستی، حتیٰ کہ خدا تھا؟ دوسری طرف اُن لوگوں کو بھی جواب دیا گیا ہے جو باپ کے بغیر صرف ماں سے عیسیٰ علیہ السلام کا پیدا ہونا محال سمجھتے ہیں۔ اِن کو کہا گیا ہے کہ اگر اِسے نہیں مانتے تو آدم علیہ السلام کی پیدائش کی کیا توجیہہ پیش کرو گے۔ اُن کا تو نہ باپ تھا اور نہ ماں؛ اور اگر کوئی اِس بات کو سرے سے تسلیم ہی نہیں کرتا تو پھر انسان کی پیدائش کا کسے ذمہ دار ٹھہرایا جائے، اِس کے علاوہ دوسری کوئی بات تو ممکن ہی نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے نہ صرف پہلا انسان اور تمام انسانوں کا جدِ امجد مٹی سے پیدا کیا بلکہ روزانہ اُس کی اولاد کو بھی مٹی سے پیدا کرتا ہے۔ یہی مٹی ہے جو غلہ اور پھل بنتا ہے، پھر خاک سے وجود پانے والے اِسی غلہ اور پھل کو وہ انسان کے وجود میں نطفے میں تبدیل کر دیتا ہے اور ماں اور باپ کے نطفے ملا کر بچہ بنا دیتا ہے۔ جو شخص ہر روز مٹی سے انسان کے بننے کا مشاہدہ کرتا ہے وہ کس طرح آدم علیہ السلام کے مٹی سے پیدا ہونے کا انکار کرتا ہے؟

رہی یہ بات کہ عیسیٰ اور آدم علیہما السلام کی خلقت میں کیا کوئی مماثلت ہے؟ اور یہ کہ کیا وہ مماثلت یہی ہے کہ دونوں بن باپ کے پیدا ہوئے تھے یا اِس کے علاوہ دیگر مماثلتیں بھی ہیں؟ عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش تو پوری طرح واضح ہے

کہ بغیر باپ کے اُس کا نطفہ ماں کی رحم میں قرار پا گیا تھا۔ ایک بچے کی طرح اُنہوں نے دنیا میں آنکھ کھولی، رفتہ رفتہ بڑا ہوا اور جوانی کی منزل پر پہنچا۔ تو پھر کیا آدم علیہ السلام کی پیدائش کی ابتداء بھی نطفے سے ہوئی اور وہ رفتہ رفتہ بڑا ہوا یا شروع سے ایک مکمل انسان کی صورت میں پیدا کیا گیا؟ یہ سوال صرف آدمؑ سے متعلق نہیں ہے بلکہ دوسری تمام زندہ مخلوقات کے بارے میں بھی اِسی طرح مطرح (valid) ہے۔ ہر ایک کا پہلا جد کس طرح پیدا ہوا؟ کیا اللہ تعالیٰ نے درخت، پودے، مچھلی، مرغی، ہاتھی، اونٹ اور کھرب ہا دوسرے جاندار اِس طرح پیدا کئے کہ پہلے اُن کا مکمل جوڑا ماں باپ کی شکل میں بنایا اور پھر اُن سے اُن کی نسل آگے چلائی؟

اِن سوالات کا جواب جاننے کے لئے درج ذیل باتیں ذہن میں رکھیں:

- اللہ نے زندہ مخلوقات صرف تخلیق کی ابتداء میں پیدا نہیں فرمائیں بلکہ اب بھی ہر روز اور ہر لمحے یہ جو زندہ مخلوقات پیدا ہو ہو کر سامنے آ رہی ہیں اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہیں۔ یہ بھی اللہ ہی کا امر ہے نہ کہ کسی خود کار، اصطلاحاً طبعی نظام کے تحت انجام پذیر ہونے والا عمل۔
- پیدائش کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے خاص سنن اور قوانین ہیں، اُن کا مشاہدہ ہم ہر لمحے زندہ مخلوقات کی پیدائش میں کرتے ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ بڑے سے بڑے جاندار سے لے کر چھوٹے سے چھوٹے حیوان تک، ہاتھی اور اونٹ سے لے کر مچھر اور وائرس تک، بلند و بالا درخت سے لے کر ایک چھوٹے سے پودے تک تمام چیزیں اللہ ایک ایسے چھوٹے سے نطفے سے پیدا فرماتا ہے جو آنکھوں سے نظر نہیں آتا۔ اُسی نطفے کو وہ رفتہ رفتہ نشو و نما دے کر ایک انسان، حیوان یا نبات بنا دیتا ہے۔ اگر کوئی اُٹھ کر انسان یا کسی دوسرے حیوان کے بارے میں ایسی رائے پیش کرے جو پیدائش کے بارے میں اِن الٰہی سنن سے مطابقت نہیں رکھتی تو یہ ایک رجماً بالغیب رائے ہو گی؛ اللہ کی مشہود کتاب کے بھی خلاف اور اُس کی مقروٗ کتاب کے بھی خلاف۔ اللہ تعالیٰ کی مقروٗ کتاب قرآن، کی ہر ایک آیت کی صرف وہ تفسیر قبول کرنی چاہیے جو اللہ کی مشہود کتاب کی آیات اور عالم میں جاری و ساری اللہ کے واضح سنن کے ساتھ مغائرت نہ رکھتی ہو۔ اللہ کی یہ دونوں آیات ایک دوسرے کی موئید اور مُصدق ہیں نہ کہ مغائر اور مخالف۔ یہ دونوں آیات کسی صورت ایک دوسرے کے خلاف بات نہیں کرتیں اس لئے کہ اِن کا رب ایک ہے۔ اگر کبھی اللہ کی مقروٗ کتاب کی کسی آیت کی ایسی تفسیر سن لو جو اللہ کی مشہود کتاب کے ساتھ مغائرت رکھتی ہو تو ایسی تفسیر دیوار پر دے مارو اور اگر کبھی مشہود کتاب کے کسی جزء کے بارے میں کوئی ایسی بات کانوں میں پڑ جائے جو

مقررۂ کتاب کی کسی آیت سے مخالفت رکھتی ہو تو اُسے دور پھینکو اور پیروں تلے روند ڈالو۔ نا سمجھ ہو گا وہ جو اِن کی ایسی تفسیر پیش کرے گا جن میں سے ایک دوسری سے مغائرت رکھے۔

رہی یہ بات کہ آدم علیہ السلام مٹی سے کس طرح پیدا کئے گئے تھے اور قرآن اِس بارے میں کیا کہتا ہے؟ یہ سب جاننے کے لئے درج ذیل باتیں ذہن میں رکھیں:

- یہ سوال صرف پہلے انسان کی پیدائش کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ یہ تمام زندہ مخلوقات، حیوانات اور نباتات کے بارے میں بھی اُسی طرح مطرح (valid) ہے۔ مناسب ہو گا کہ اِن تمام کے اجداد کے بارے میں یہ گُتھی سلجھائی جائے۔
- انسان کی پیدائش کے بارے میں ایک رائے جو سب سے زیادہ معروف ہے، خود مسلمانوں میں بھی اور مسلمانوں سے پہلے اہلِ کتاب میں بھی بلکہ یہ رائے مسلمانوں کے پاس آئی ہی اہلِ کتاب سے ہے۔ جس کسی نے مسلمانوں میں سے سب سے پہلے یہ بات کی ہے اُس نے دراصل اہلِ کتاب کی رائے بیان کی ہے مگر بعد والے اِسے اُس کی اپنی رائے سمجھ بیٹھے ہیں۔ وہ معروف رائے یہ ہے کہ: آدم علیہ السلام کے وجود کی مٹی زمین سے اکٹھی کی گئی، اُس میں پانی ڈال کر گارا بنایا گیا، اُس پر ایک لمبا عرصہ گزر گیا تو کالی پڑ گئی اور بو دینے لگی، اِس سے اُس کا مجسمہ بنایا گیا، آگ پر رکھ کر پکایا گیا اور پھر اللہ نے اُس میں روح پھونک دی تو زندہ ہوا اور اُس کے زندہ ہونے کے بعد پھر اُس کی اضافی مٹی سے اور یا پھر اُس کی ایک پسلی سے اُس کا جوڑا پیدا کیا گیا۔

مگر نہ تو قرآن میں کسی جگہ اور نہ ہی کسی صحیح الاسناد حدیث میں ایسا کہا گیا ہے کہ پہلے آدم علیہ السلام اور اُس کی زوجہ کا ہیبت اور مجسمہ بنایا گیا ہے اور پھر اُس میں روح پھونکی گئی ہے۔ اگر ایسی کوئی بات ہوتی تو ضرور کہہ دی گئی ہوتی، نہ صرف آدم علیہ السلام کے بارے میں بلکہ دوسری مخلوقات کے بارے میں بھی کہہ دیا جاتا کہ پہلے اُن کے مجسمے بنا دیئے گئے پھر اُن میں روح پھونکی گئی؛ جس طرح عیسیٰ علیہ السلام کے قول کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ:

أَنِّيٓ أَخۡلُقُ لَكُم مِّنَ ٱلطِّينِ كَهَيۡـَٔةِ ٱلطَّيۡرِ فَأَنفُخُ فِيهِ فَيَكُونُ طَيۡرَۢا بِإِذۡنِ ٱللَّهِۖ

میں تمہارے لئے گارے سے پرندے کا مجسمہ بناتا ہوں اور پھر اُس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ اللہ کے حکم سے زندہ پرندہ بن جاتا ہے۔

- قرآن اللہ کی کتاب ہے، اِس میں ہر چیز انتہائی دقت نظر سے بیان کی گئی ہے، شک کی کوئی مجال باقی نہیں رہنے دیتی، ٹیڑھے دلوں کے مالک ہی اِس سے ٹیڑھا مطلب نکال سکتے ہیں۔

- قرآن نے آدم علیہ السلام کی خلقت کے لئے چاہے صلصال کے الفاظ استعمال کئے ہیں یا مٹی کے یا گارے کے؛ ہر جگہ اُن سے مراد ٹھیک وہی معنٰی ہے جس کے لئے وہ لفظ فی الواقع مستعمل ہے۔

اب آئیں دیکھیں کہ قرآن اِس بارے میں کیا کہتا ہے؟ اِس بارے میں قرآن میں درج ذیل آیات آئی ہیں:

(۱) وَجَعَلْنَا مِنَ ٱلْمَآءِ كُلَّ شَىْءٍ حَىٍّ ۖ أَفَلَا يُؤْمِنُونَ ﴿٣٠﴾ الانبیاء ۳۰

ہم نے ہر جاندار پانی سے پیدا کیا، کیا مانتے نہیں ہو۔

(۲)وَمِنْ ءَايَـٰتِهِۦٓ أَنْ خَلَقَكُم مِّن تُرَابٍ ثُمَّ إِذَآ أَنتُم بَشَرٌ تَنتَشِرُونَ ﴿٢٠﴾ الروم ۲۰

اور یہ اُس کی نشانیوں میں سے ہے کہ تمہیں مٹی سے پیدا کیا، تو پھر تم پھیلنے والے بشر بنے۔

(۳)هُوَ ٱلَّذِى خَلَقَكُم مِّن طِينٍ --- الانعام ۲

اللہ وہی ذات ہے جس نے تمہیں گارے سے پیدا کیا۔

(۴)وَلَقَدْ خَلَقْنَا ٱلْإِنسَـٰنَ مِن سُلَـٰلَةٍ مِّن طِينٍ ﴿١٢﴾ ثُمَّ جَعَلْنَـٰهُ نُطْفَةً فِى قَرَارٍ مَّكِينٍ ﴿١٣﴾ ثُمَّ خَلَقْنَا ٱلنُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا ٱلْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا ٱلْمُضْغَةَ عِظَـٰمًا فَكَسَوْنَا ٱلْعِظَـٰمَ لَحْمًا ثُمَّ أَنشَأْنَـٰهُ خَلْقًا ءَاخَرَ ۚ فَتَبَارَكَ ٱللَّهُ أَحْسَنُ ٱلْخَـٰلِقِينَ ﴿١٤﴾ المومنون ۱۲۔۱۴

اور یقیناً ہم نے انسان کو گارے کے ست سے پیدا کیا۔ پھر ہم نے اُسے قیام کی ایک محفوظ جگہ میں ایک نطفہ بنایا۔ پھر اِس نطفے کو ہم نے ایک لٹکتا ہوا جزء بنایا، اور پھر اس علقہ کو ہم نے چبائے ہوئے گوشت کا ٹکڑا بنایا، پھر گوشت کے اِس ٹکڑے کو ہڈی بنایا، پھر ہڈیوں کو گوشت سے ڈھک دیا، پھر ایک دوسری خلقت میں اُسے پیدا کیا۔ تو مبارک ہے وہ بہترین خالق۔

(۵)ٱلَّذِىٓ أَحْسَنَ كُلَّ شَىْءٍ خَلَقَهُۥ ۖ وَبَدَأَ خَلْقَ ٱلْإِنسَـٰنِ مِن طِينٍ ﴿٧﴾ السجدہ ۷

وہ جس نے جو کچھ بھی بنایا، خوب بنایا اور انسان کی پیدائش کی ابتداء گارے سے کی۔

(۶)وَلَقَدْ خَلَقْنَا ٱلْإِنسَـٰنَ مِن صَلْصَـٰلٍ مِّنْ حَمَإٍ مَّسْنُونٍ ﴿٢٦﴾ وَٱلْجَآنَّ خَلَقْنَـٰهُ مِن قَبْلُ مِن نَّارِ ٱلسَّمُومِ ﴿٢٧﴾ الحجر۲۶۔۲۷

اور یقیناً انسان کو ہم نے کھنکتے ہوئے سوکھے گارے، بدبودار کالے گارے سے پیدا کیا اور جنوں کو اُس سے قبل بغیر دھویں کی آگ سے۔

(۷) - - - - - إِنَّا خَلَقْنَٰهُم مِّن طِينٍ لَّازِبٍ ﴿١١﴾ الصافات ۱۱

یقیناً ہم نے اِنہیں چکنی (چپکنے والی) کیچڑ سے پیدا کیا۔

اِن مبارک آیات میں انسان کی پیدائش کا اولین مادہ، پانی، مٹی، گارا، گارے کا ست، کھنکتا ہوا سوکھا گارا، (آگ میں پکائے گئے) ٹھیکرے کی طرح سوکھا گارا، چپکنے والی کیچڑ اور کالی بدبودار کیچڑ بتائی گئی ہے۔ قرآن میں ہم پڑھتے ہیں کہ پانی کو تمام جانداروں کی پیدائش کا اصل مادہ بتایا گیا ہے یعنی ایسی کوئی زندہ مخلوق موجود نہیں ہے جس کی خلقت کا اساسی مادہ پانی نہ ہو۔ اِس سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ نے پہلے پانی پیدا کیا پھر زندہ اجسام پیدا کئے۔ یعنی روئے زمین پر زندگی کی ابتداء پانی سے ہوئی۔ یہ وہ بہت بڑی حقیقت ہے جسے انسان ایک لمبے علمی سفر کے آخر میں بہت ساری تحقیقات کے بعد اب کہیں جا کر جان سکا ہے کہ زمین پر زندگی کا آغاز پانی کے پیدائش کے بعد ہوا ہے اور یہ قرآن کا ایک اور علمی اعجاز ہے۔ اگر آج آپ بیالوجی کے کسی انصاف پسند عالم کو کہہ دیں کہ ہماری ایک ایسی کتاب میں جس پر چودہ سو سال گزر گئے ہیں؛ یہ بات لکھی ہوئی ہے کہ تمام جاندار پانی سے پیدا کئے گئے ہیں۔ پہلے پانی پیدا کیا گیا پھر زندگی پیدا کی گئی۔ تو وہ ضرور بتادے گا کہ یہ وہ بڑی علمی حقیقت ہے جسے انسان فقط اِس صدی میں جان سکا ہے۔

اب ذرا غور سے انسان کی خلقت سے متعلق آیات پر نظر ڈالتے ہیں۔ آپ دیکھ سکتے ہیں کہ اِن تمام آیات میں صلصال (کھنکتا ہوا سوکھا گارا) کا ذکر حماٍ مسنون (چپکنے والی کیچڑ) سے پہلے کیا گیا ہے۔ جب کہ ایک جگہ تو صلصال کے انسان کی پیدائش کا اولین مادہ ہونے کا ذکر بالکل اُس اسلوب سے کیا گیا ہے جس طرح آگ کی لپٹ کا جن کی پیدائش سے تعلق بیان کیا گیا ہے۔ فرماتا ہے:

خَلَقَ ٱلْإِنسَٰنَ مِن صَلْصَٰلٍ كَٱلْفَخَّارِ ﴿١٤﴾ وَخَلَقَ ٱلْجَآنَّ مِن مَّارِجٍ مِّن نَّارٍ ﴿١٥﴾ الرحمٰن ۱۴-۱۵

انسان کو ٹھیکرے کی طرح کھنکتے ہوئے سوکھے گارے سے پیدا کیا اور جن کو بغیر دھویں کے شعلے سے۔

یہ آیت تو بتاتی ہے کہ انسان کو صلصال سے پیدا کیا، بالکل اِسی طرح جس طرح جنوں کو آگ کی لپٹ سے۔ یعنی اِس کی پیدائش کا اصل مادہ صلصال ہے جس طرح جنوں کی خلقت کا اصل مادہ آگ ہے۔ دوسرے معنوں میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ انسان کی پیدائش کا پہلا مادہ صلصال تھا، بھر بھرا ہو کر مٹی بن گیا، کیچڑ بنا اور پھر اللہ نے اُس سے انسان بنایا۔ یوں نہیں کہا گیا کہ اُسے آگ پر تپا کر صلصال بنایا گیا ہے اور پھر اُس میں روح پھونکی گئی ہے۔

اگر ہم زمین و آسمان کی پیدائش سے متعلق آیات پر غور کریں تو آسانی سے جان لیں گے کہ پہلے صلصال پھر گارا اور پھر بدبودار کیچڑ پیدا کی گئی ہے۔ سورہ انبیاء آیت ۳۰ میں قرآن فرماتا ہے:

أَوَلَمْ يَرَ ٱلَّذِينَ كَفَرُوٓاْ أَنَّ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنَٰهُمَا ۖ وَجَعَلْنَا مِنَ ٱلْمَآءِ كُلَّ شَىْءٍ حَىٍّ ۖ أَفَلَا يُؤْمِنُونَ ﴿٣٠﴾

کیا کافر یہ نہیں جانتے کہ زمین و آسمان آپس میں جڑے ہوئے تھے، تو ہم نے اُن کو (پھاڑ کر) علیٰحدہ کر دیا اور ہر جاندار کو پانی سے پیدا کیا تو کیا یہ ایمان نہیں لاتے؟

اِس آیت سے کئی چیزیں واضح پتہ چلتی ہیں:

- شروع میں تمام کائنات، زمین، سورج اور تمام اجرام فلکی ایک متحدہ وجود (کتلا) تھا اور اللہ تعالیٰ نے (ایک دھماکے سے) پھاڑ کر اُنہیں علیٰحدہ علیٰحدہ کر کے اُنہیں موجودہ صورت میں ڈھال دیا۔
- لازم ہے کہ ہماری زمین بھی دوسروں سے علیٰحدہ ہوتے وقت اُنہی کی طرح گرم رہی ہو گی، اِس لئے کہ سارے اکٹھے تھے اور ایک ہی وقت میں علیٰحدہ ہوئے۔ سورج چونکہ بڑا ہے تو اپنی حرارت ابھی تک محفوظ رکھے ہوئے ہے مگر زمین سورج سے بدرجہا چھوٹی ہے اِس لئے رفتہ رفتہ ٹھنڈی پڑتی چلی گئی ہے۔ اوپر سے ٹھنڈی مگر اندر سے بدستور گرم بلکہ سخت گرم۔ اتنی گرم کہ وہاں ہر چیز پگھلی ہوئی حالت میں ہے؛ قرآن کی اصطلاح میں اُس کے اندر سب کچھ "نحاس" ہے۔
- اِس آیت میں زمین و آسمان کی پیدائش کے معاً بعد پانی اور پانی سے حیات کی ابتداء کا ذکر اِس حقیقت کی نشان دہی کرتا ہے کہ روئے زمین پر سب سے پہلے پانی پیدا ہوا۔ یہ وہ حقائق ہیں جنہیں قرآن نے چودہ سو سال پہلے بیان کیا اور سائنس اب اِنہیں جان رہی ہے۔ آج اگر آپ کسی بھی سائنسدان سے زمین آسمان اور پانی کی پیدائش کے بارے میں پوچھیں گے تو اُس کا جواب یہی ہو گا جو قرآن نے فرمایا ہے۔
- روئے زمین پر جانداروں کی پیدائش کے بارے میں ماہرین کہتے ہیں: زمین اپنی پیدائش کے بعد سخت گرم تھی۔ زمین کا اوپر کا پرت رفتہ رفتہ سرد ہوتا گیا مگر شدید آگ میں پکنے کے باعث سخت پتھر کی مانند تھا۔ اِس کے بعد سب سے پہلے پانی پیدا ہوا، زمین کا یہ سارا پانی گہرے بادلوں کی صورت میں زمین کے گرد لپٹا ہوا تھا لہٰذا بارشوں کا سلسلہ شروع ہوا۔ بارش اور متعدد دوسرے عوامل کے باعث زمین کے اوپر کا سخت قشر مٹی میں تبدیل ہوا۔ بارشوں سے آنے والے سیلابوں کا پانی یہ مٹی اپنے ساتھ زمین کے گہرے، ہموار اور نیچے واقع علاقوں میں بہا لے گیا۔ زمین کی گرمی ابھی اتنی تھی کہ پانی اُس پر ٹھہر نہیں سکتا تھا لہٰذا پانی کی تبخیر کی وجہ سے یہ مٹی کھنکتے سوکھے ٹھیکروں میں بدل گئی۔ مگر زمین کے مزید ٹھنڈا ہونے اور مزید بارشوں کے نتیجے میں ایسی صورت پیدا ہوئی کہ ایک طرف گہرے بادلوں کا پردہ چاک

ہوااور سورج کی شعاعیں زمین پر پہنچنے لگیں اور دوسری طرف زمین کے اوپر موجود مٹی پہلے گارے اور پھر کالی بدبودار کیچڑ میں بدل گئی۔ یہ وہ مرحلہ تھاجب روئے زمین پر جانداروں کی پیدائش کا سلسلہ شروع ہوا۔

اگر محققین کی یہ رائے قرآن کے بیان کے ساتھ ساتھ رکھ کر دیکھ لیں تو واضح ہو جائے گا کہ یہ سب کچھ بڑی دیر کے بعد محققین کی سمجھ میں آیاحالانکہ قرآن چودہ سوسال قبل یہ کہہ چکا تھا۔

واللہ قرآن کی یہ ایک ایک بات عظیم معجزہ ہے۔ اگر آپ کسی بھی انصاف پسند عالم کے سامنے انسان کی پیدائش کے بارے میں قرآن کی یہ آیات رکھیں گے تو بہت مشکل ہے کہ وہ اِن کے سامنے سر جھکائے بغیر رہ سکے اور اِسے ایک معجزہ تسلیم نہ کرے۔ نہایت افسوس کا مقام ہے کہ ناسمجھ اور اسرائیلی روایات کے زیرِ اثر آنے والے لوگ اِن آیات کی ایسی تعبیر پیش کرتے ہیں کہ قرآن کے اِن معجزات کو قرآن کے خلاف اعتراض بنا کر رکھ دیتے ہیں۔ قرآنِ کریم کی اِن آیات کی اہمیت وہ شخص جان سکتا ہے جو زمین کی پیدائش کے بارے میں دقیق معلومات رکھتا ہو۔ یہ تو جب آپ یہ ساری باتیں کسی سائنس دان کے سامنے رکھیں گے تو آپ کو اُس کی حیرت کا اندازہ ہو جائے گا۔

ایک مرتبہ مغرب کے ایک معروف سائنسدان کی ایک کتاب پڑھتے ہوئے میں جب اُس مقام تک پہنچا جہاں اُس نے لکھا تھا کہ: جانداروں کی پیدائش Black soup (کالی یخنی) سے ہوئی ہے تو بے اختیار میرے آنسو بہہ نکلے اور دل میں کہا: کیا قرآن کا یہ معجزہ کافی نہیں ہے کہ یہ سائنسدان سال ہاسال کے تجربات کے بعد وہی بات کر رہا ہے جو قرآن صدیاں پہلے کہہ چکا ہے مگر یہ اُسے Black soup کہتا ہے اور قرآن کالی کیچڑ۔

درج ذیل دو آیات کو ذرا غور سے پڑھیں:

وَٱللَّهُ خَلَقَكُم مِّن تُرَابٍ ثُمَّ مِن نُّطْفَةٍ ثُمَّ جَعَلَكُمْ أَزْوَٰجًا ۚ وَمَا تَحْمِلُ مِنْ أُنثَىٰ وَلَا تَضَعُ إِلَّا بِعِلْمِهِۦ ۚ وَمَا يُعَمَّرُ مِن مُّعَمَّرٍ وَلَا يُنقَصُ مِنْ عُمُرِهِۦٓ إِلَّا فِى كِتَٰبٍ ۚ إِنَّ ذَٰلِكَ عَلَى ٱللَّهِ يَسِيرٌ ﴿١١﴾ فاطر ۱۱

اور اللہ نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا، پھر نطفے سے، پھر تمہیں جوڑا جوڑا بنایا، نہ کسی عورت کو کوئی حمل ٹھہرتا ہے اور نہ جنتی (جنم دیتی) ہے مگر یہ کہ اُس کے علم کے ساتھ اور نہ کسی عمر والے کی عمر بڑھتی ہے اور نہ گھٹتی ہے مگر وہ جو کتاب میں (ثبت) ہے اور یہ کام اللہ کے لئے آسان ہے۔

خَلَقَ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضَ بِٱلْحَقِّ ۚ تَعَٰلَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿٣﴾ خَلَقَ ٱلْإِنسَٰنَ مِن نُّطْفَةٍ فَإِذَا هُوَ خَصِيمٌ مُّبِينٌ ﴿٤﴾ النحل ۴،۳

اُس نے آسمانوں اور زمین کو برحق پیدا کیا، وہ برتر ہے اُس چیز سے جو اُس کے ساتھ شریک کیا جاتا ہے۔ انسان کو نطفے سے پیدا کیا اور وہ کھلا جھگڑالو بن گیا۔

اِن آیات سے چند باتیں نہایت وضاحت کے ساتھ معلوم ہوتی ہیں:

- انسان کی پیدائش کا پہلا مادہ مٹی ہے۔
- مٹی سے اُس کا نطفہ بنایا گیا ہے۔
- پھر اِس نطفے سے اُس کا جوڑا پیدا ہوا ہے۔
- آسمانوں اور زمین کی خلقت کے بعد اور معاً بعد یہ بات کرنا کہ انسان کو نطفے سے پیدا کیا گیا ہے، اِس مطلب کی طرف اشارہ ہے کہ یہ انسان کی ابتدائی پیدائش کی بات کی جارہی ہے نہ کہ بعد کے سلسلۂ پیدائش کی یعنی اُس کی ابتدائی پیدائش بھی نطفے کی صورت میں شروع ہوئی ہے۔ تعجب ہے اگر اِن صریح آیات کی موجودگی میں کوئی اِس کے خلاف بات کرے۔
- اللہ تعالیٰ نے صرف آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا نہیں فرمایا بلکہ ہر روز اُس کی اولاد کو بھی مٹی سے پیدا فرماتا ہے۔ اِس لئے کہ ہر ایک کا نطفہ اُنہی اجزاء سے تشکیل پاتا ہے جو زمین سے حاصل ہوتی ہیں۔ یہ مٹی ہی ہے جو غلہ اور پھل بن کر انسان کے جسم میں نطفے میں بدل جاتی ہے اور پھر اُنہی نطفوں کے ملاپ سے انسان بنتا ہے۔ اِس بارے میں قرآن کا بیان ہے کہ:

يَـٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ إِن كُنتُمۡ فِي رَيۡبٖ مِّنَ ٱلۡبَعۡثِ فَإِنَّا خَلَقۡنَٰكُم مِّن تُرَابٖ ثُمَّ مِن نُّطۡفَةٖ ثُمَّ مِنۡ عَلَقَةٖ ثُمَّ مِن مُّضۡغَةٖ مُّخَلَّقَةٖ وَغَيۡرِ مُخَلَّقَةٖ لِّنُبَيِّنَ لَكُمۡۚ وَنُقِرُّ فِي ٱلۡأَرۡحَامِ مَا نَشَآءُ إِلَىٰٓ أَجَلٖ مُّسَمّٗى ثُمَّ نُخۡرِجُكُمۡ طِفۡلٗا ثُمَّ لِتَبۡلُغُوٓاْ أَشُدَّكُمۡۖ وَمِنكُم مَّن يُتَوَفَّىٰ وَمِنكُم مَّن يُرَدُّ إِلَىٰٓ أَرۡذَلِ ٱلۡعُمُرِ لِكَيۡلَا يَعۡلَمَ مِنۢ بَعۡدِ عِلۡمٖ شَيۡـٔٗاۚ وَتَرَى ٱلۡأَرۡضَ هَامِدَةٗ فَإِذَآ أَنزَلۡنَا عَلَيۡهَا ٱلۡمَآءَ ٱهۡتَزَّتۡ وَرَبَتۡ وَأَنۢبَتَتۡ مِن كُلِّ زَوۡجِۭ بَهِيجٖ ۝ الحج ۵

اے لوگو! اگر دوبارہ جی اُٹھنے کے بارے میں شک میں پڑے ہو تو ہم نے تو تمہیں مٹی سے پیدا کیا، پھر نطفے سے، پھر علقہ سے، پھر چبائے ہوئے ایک ٹکڑا گوشت سے، جس کی (صورت گری) کامل ہوتی ہے اور کبھی ناقص بھی تاکہ تم پر (اپنی قدرت اور حکمت) واضح کر دیں۔ اور جسے چاہیں ایک مدت تک رحم میں قرار دے دیتے ہیں پھر ایک بچے کی صورت نکال لاتے ہیں (اسی طرح تمہاری

پرورش کرتے ہیں) تا آنکہ پھر اپنی پوری قوت تک پہنچ جاتے ہو، اور تم میں سے بعض مر جاتے ہیں، اور بعض سب سے ذلیل عمر پر پہنچ جاتے ہیں حتیٰ کہ سب کچھ جان لینے کے بعد پھر کچھ نہیں جانتے اور زمین کو دیکھتے ہو کہ خشک پڑی ہوئی ہے مگر جب ہم اُس پر پانی نازل کر دیتے ہیں، انگڑائی لے لیتی ہے، نشو و نما پا لیتی ہے اور ہر طرح کے شاداب پودے اُگا لیتی ہے۔

یہاں تمام انسانوں کی عام اور روز مرہ خلقت کے مختلف ادوار کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، جب مٹی سے اُس کی زندگی کی ابتداء ہوتی ہے اور موت پر انجام پذیر ہوتی ہے۔ ایک دوسری جگہ مٹی اور گارے کا ست (خلاصہ) انسان کا مادۂ ترکیب بتایا گیا ہے اور یہ قرآن کا ایک اور معجزہ ہے کہ کہتا ہے انسان زمین کے خلاصے سے پیدا کیا گیا ہے۔ یعنی اِس کے وجود میں اُن تمام چیزوں کے نمونے موجود ہیں جو زمین میں پائے جاتے ہیں۔ انسان اب جا کر یہ جان سکا ہے کہ انسان کے وجود میں زمین کے سارے عناصر موجود ہیں، اِس کے جسم میں لوہے کی مانند عناصر بھی شامل ہیں۔ اگر آج سے سو سال پہلے کوئی یہ بات کہتا کہ انسان کے جسم میں لوہا اور اِس کی طرح زمین کے دیگر عناصر موجود ہیں تو نہ معلوم اِس بات کا کتنا مذاق اڑایا جاتا۔ مگر علم آج اِس حقیقت کا ادراک کر چکا ہے اور انسان کے جسم کی ترکیب کے بارے میں قرآن کی یہی بات دہرا رہا ہے۔

افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ بعض لوگ آدم علیہ السلام کی پیدائش، اُس میں روح پھونکنے، اُس کے جنت میں بسائے جانے، اُس کو شیطان کی وسوسہ اندازی اور جنت سے اُس کے نکلنے کے بارے میں ایسا کچھ کہتے ہیں جیسے یا وہ ہمارا جد نہیں یا ہم اُس کی اولاد نہیں۔ اُس کی پیدائش، زندگی اور موت ویسی ہی ہونی چاہیے جیسے آج اُس کی اولاد کی ہے، صرف اتنے سے فرق کے ساتھ کہ وہ ماں باپ کے بغیر پیدا ہوا۔ اُس میں روح کا پھونکا جانا ایسے ہی ہونا چاہیے جس طرح آج اُس کے اولاد میں ایک مقررہ وقت پر پھونکی جاتی ہے۔ اُس کو شیطان کا وسوسہ ویسا ہی ہونا چاہیے جیسے آج وہ اُس کی اولاد کے دل میں وسوسہ اندازی کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تو آدم علیہ السلام کی پیدائش کے قصے میں ہمارے لئے ہماری پیدائش کی نقشہ گری کر کے ہمیں پڑھانا چاہتا ہے۔ ہمیں انسان اور اُس کی خصوصیات اور انفرادیتوں کا تعارف کرانا چاہتا ہے، اُس کے عروج و زوال کے عوامل بتانا چاہتا ہے اور شیطان اور اُس کے وسوسے سمجھانا چاہتا ہے۔ یہ ہمارے دادا کا قصہ ہے، اِس قصے کے آئینے میں ہمیں اپنی صورت دیکھنی چاہیے تا کہ خود کو پہچان سکیں۔ اِس بارے میں تفصیلی بحث انشاءاللہ سورہء النساء اور الاعراف میں دیکھیں گے۔

فَمَنْ حَآجَّكَ فِيهِ مِنۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ ٱلْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا۟ نَدْعُ أَبْنَآءَنَا وَأَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَأَنفُسَنَا وَأَنفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَل لَّعْنَتَ ٱللَّهِ عَلَى ٱلْكَـٰذِبِينَ ﴿٦١﴾ إِنَّ

هَـٰذَا لَهُوَ ٱلۡقَصَصُ ٱلۡحَقُّ ۚ وَمَا مِنۡ إِلَـٰهٍ إِلَّا ٱللَّهُ ۚ وَإِنَّ ٱللَّهَ لَهُوَ ٱلۡعَزِيزُ ٱلۡحَكِيمُ ﴿٦٢﴾ فَإِن تَوَلَّوۡاْ فَإِنَّ ٱللَّهَ عَلِيمُۢ بِٱلۡمُفۡسِدِينَ ﴿٦٣﴾

(۶۱)۔ تو جو تمہارے ساتھ اِس بارے میں کوئی کٹ حجتی کرتا ہے بعد اِس کے کہ تمہیں اِس کا علم دیا گیا ہے تو اُسے کہو: آئیں کہ ہمارے بیٹے، تمہارے بیٹے، ہماری عورتیں، تمہاری عورتیں، ہم خود اور تم خود، جمع ہو جائیں پھر مل کر (اللہ کے دربار میں) فریاد کریں اور جھوٹوں پر لعنت بھیجیں۔ (۶۲) اِس میں کوئی شک نہیں کہ یہ سچے قصے ہیں اور یہ کہ اللہ کے علاوہ دوسرا کوئی معبود نہیں اور بے شک اللہ باحکمت عزتمند ہے۔ (۶۳) تو اگر وہ اعراض کریں تو اللہ ان مفسدین کو خوب جانتا ہے۔

(۶۱۔۶۳)۔ نصاریٰ کے جھوٹے پیشواؤں نے اپنے متبعین کو بتایا تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ کا بیٹا ہے۔ وہ تین خداؤں میں سے ایک ہے اور حتیٰ کہ یہ بھی کہ خدا خود اُس کی صورت میں زمین پر اُترا ہے۔ گزشتہ آیات میں عیسیٰ علیہ السلام کی حقیقت اور اُس کی خارقِ عادت پیدائش کے بارے میں تفصیلی بحث گزر چکی۔ اُن میں دلائل کی بنیاد پر ثابت کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ دوسرا کوئی معبود نہیں۔ اب پیغمبر علیہ السلام سے کہا جارہا ہے کہ دلائل پیش کرنے کے بعد اِنہیں کہو کہ: اگر آپ کو اپنے دعوے کی حقانیّت پر واقعی یقین ہے اور تم نے یہ عقیدہ اپنی طرف سے جھوٹ بول کر نہیں گھڑا تو آئیں مباہلہ کریں۔ ہم بھی اپنے بیٹوں اور عورتوں کو لے کر حاضر ہو جائیں گے اور تم بھی اپنے بیٹوں اور عورتوں کو لے کر حاضر ہو جاؤ۔ اللہ کے دربار میں فریاد اور دعا کریں گے کہ وہ جھوٹوں پر لعنت بھیج دے پس اگر وہ سچ تسلیم کرنے اور اِس مباہلے کو ماننے سے اعراض کرتے ہیں تو جان لو کہ وہ مفسد ہیں اور اللہ اُن کے عقیدے کے فساد اور اُن کے فاسد اعمال کو خوب جانتا ہے۔

نجران کے عیسائیوں کا وہ اعلیٰ سطح کا وفد جس میں اُن کے کئی مذہبی اور قومی اکابرین شامل تھے، مدینہ آیا ہوا تھا۔ اُنہوں نے پیغمبر علیہ السلام کے ساتھ ملاقات کی تو آپؐ نے اُنہیں قرآن کی یہ آیات سنائیں اور آخر میں مباہلے کی دعوت دی۔ اُنہوں نے مباہلہ اور مخالفت کے بجائے صلح صفائی پر رضامندی ظاہر کی اور جزیہ تسلیم کرکے رخصت ہو گئے۔

مباہلہ کے بارے میں بعض روایات ایسی آئی ہیں کہ ایک مذہبی فرقہ اُن پر استناد کرتے ہوئے اِس بات کو ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ پیغمبر علیہ السلام کے اہلِ بیت سے صرف فاطمہ، حسن، حسین اور علی رضی اللہ تعالیٰ مراد ہیں۔ اُن کا دعویٰ ہے کہ پیغمبر علیہ السلام نے صرف اُنہیں اپنے ساتھ مباہلہ کے لئے حاضر کیا تھا۔ اِس بارے میں چند گزارشات پیش کرنا ضروری معلوم ہوتی ہیں:

- صرف وہ روایات ماننے کے قابل ہیں جو قرآن کے ساتھ متعارض نہ ہوں، یہ روایت قرآن کے ساتھ متعارض ہے اس لئے کہ قرآن میں (ابنائنا، نسائنا اور انفسنا) کہا گیا ہے۔ اگر پیغمبر علیہ السلام مباہلہ کے لئے حاضر ہو گئے ہوتے تو حتماً اپنی بیبیاں بھی ساتھ لے کر حاضر ہوتے اور اپنی دوسری بیٹیاں، رقیہ اور اُمِ کلثوم بھی ساتھ لاتے۔ مگر یہ تو سوچیں علی رضی اللہ تعالیٰ کو کس بنیاد پر اِس (category) میں شامل کرتے؟ آپؑ نہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کے بیٹوں کے زمرے میں آتے ہیں اور نہ ہی اِس آیت میں چچازاد اور داماد کو ساتھ لینے کا کہا گیا ہے۔
- مردوں کے ایک جرگے میں پیغمبر علیہ السلام کس طرح اور کس لئے اپنے نواسوں اور بیٹی کو حاضر کرتا؟ یہ کام تو آپؑ اگر کرتے بھی تو اُس وقت کرتے جب دوسرا فریق مباہلے پر راضی ہو گیا ہوتا اور اُن کے بیٹے اور بیویاں مدینے میں موجود ہوتیں مگر وہ تو نجران سے بلائے ہی نہیں گئے تھے۔ اُنہیں نہ تو کوئی لینے گیا تھا نہ اُن لوگوں نے مباہلہ کی دعوت قبول کی تھی اور نہ اپنے بچوں اور بیویوں کو حاضر کیا تھا۔
- جہاں کہیں قرآن مجید میں اہلِ بیت کا لفظ آیا ہے تو وہاں اس سے مراد صرف بیویاں ہیں؛ چاہے پیغمبر علیہ السلام کے حوالے سے استعمال ہوا ہے یا ابراہیم علیہ السلام کے حوالے سے۔ تمام مقامات پر صرف بیویاں مراد ہیں، نہ اُس میں ابناء شامل کئے گئے ہیں اور نہ ہی اقرباء۔ قرآن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے اہلِ بیت کا لفظ سورۂ احزاب میں آیا ہے اور وہاں اِس سے مراد صرف بیبیاں ہیں۔

إِنَّمَا يُرِيدُ ٱللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ ٱلرِّجْسَ أَهْلَ ٱلْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا ﴿٣٣﴾ الاحزاب ٣٣

بات یہ ہے کہ اے اہلِ بیت اللہ تم سے ناپاکیاں دور رکھنا چاہتا ہے اور تمہیں خوب پاک کرنا چاہتا ہے۔

سورۂ ھود میں بھی یہ لفظ استعمال ہوا ہے وہاں یہ ابراہیم علیہ السلام کی بی بی کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔

قَالُوٓاْ أَتَعْجَبِينَ مِنْ أَمْرِ ٱللَّهِ ۖ رَحْمَتُ ٱللَّهِ وَبَرَكَـٰتُهُۥ عَلَيْكُمْ أَهْلَ ٱلْبَيْتِ ۚ إِنَّهُۥ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ ﴿٧٣﴾ هود ٧٣

کیا اللہ کے کاموں پر تعجب کرتی ہو، اے اہلِ بیت تم پر اللہ کی رحمتیں اور برکتیں ہوں، بے شک وہ حمید بزرگی کا مالک ہے۔

قُلْ يَـٰٓأَهْلَ ٱلْكِتَـٰبِ تَعَالَوْا۟ إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَآءٍۭ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا ٱللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِۦ شَيْـًٔا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِّن دُونِ ٱللَّهِ ۚ فَإِن تَوَلَّوْا۟ فَقُولُوا۟ ٱشْهَدُوا۟ بِأَنَّا مُسْلِمُونَ ﴿٦٤﴾

(۶۴)۔ کہو اے اہلِ کتاب! اُس بات پر آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں (مشترک) ہے اور وہ یہ کہ: ہم اللہ کے بغیر کسی (اور) کی عبادت نہیں کریں گے اور اُس کے ساتھ کوئی چیز شریک نہیں کریں گے اور ہم میں سے بعض اللہ کے علاوہ بعض دوسروں کو ارباب نہیں بنائیں گے۔ پس اگر اُنہوں نے اعراض کیا تو اُنہیں کہو کہ: گواہ رہو کہ ہم مسلمان (تابع فرمان) ہیں۔

(۶۴)۔ اہل کتاب کو دعوت دو کہ آؤ اُس بات کی طرف، جس کا تقاضا تمہارا اصل دین کرتا ہے اور ہمارا دین بھی۔ وہ بات یہ ہے کہ:

- ہم صرف ایک اللہ کی عبادت کریں گے، اُس کے بغیر نہ کسی دوسرے کی عبادت کریں گے اور نہ کسی سے دعا مانگیں گے۔
- ہم میں سے بعض، بعض دوسروں کے لئے رب نہیں بنیں گے۔ یہ غلطی نہیں کریں گے کہ اپنی طرح کے کسی انسان کو رب کا مقام و منزلت دے دیں اور یا ہم میں سے بعض، بعض دوسروں کے لئے اپنے آپ کو رب بنا ڈالیں۔

اِس آیت سے چند بنیادی باتیں معلوم ہو جاتی ہیں:

- دین کی اصل اور بنیادی باتیں یہی تین ہیں اور تمام الٰہی ادیان یہی بات کرتے ہیں۔ جس دین اور مذہب میں اِن کے خلاف کوئی بات پائی جائے وہ محرف مذہب اور دین ہے۔
- کبھی انسان اتنا ذلیل اور جاہل ہو جاتا ہے کہ اپنے جیسے ایک انسان کو رب کا مقام دے دیتا ہے اور اُس کا بندہ بن جاتا ہے۔ وہ اِس کے لئے حرام اور حلال کا فیصلہ کرتا ہے اور یہ اُسے تسلیم کرتا ہے، اُسے اللہ کے ساتھ الوہیت میں شریک کر لیتا ہے اور اُس سے دعائیں مانگتا اور غیبی مدد طلب کرتا ہے۔

يَـٰٓأَهْلَ ٱلْكِتَـٰبِ لِمَ تُحَآجُّونَ فِىٓ إِبْرَٰهِيمَ وَمَآ أُنزِلَتِ ٱلتَّوْرَىٰةُ وَٱلْإِنجِيلُ إِلَّا مِنۢ بَعْدِهِۦٓ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿٦٥﴾ هَـٰٓأَنتُمْ هَـٰٓؤُلَآءِ حَـٰجَجْتُمْ فِيمَا لَكُم بِهِۦ عِلْمٌ فَلِمَ

تُحَآجُّونَ فِيمَا لَيْسَ لَكُم بِهِۦ عِلْمٌ ۚ وَٱللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿٦٦﴾ مَا كَانَ إِبْرَٰهِيمُ يَهُودِيًّا وَلَا نَصْرَانِيًّا وَلَٰكِن كَانَ حَنِيفًا مُّسْلِمًا وَمَا كَانَ مِنَ ٱلْمُشْرِكِينَ ﴿٦٧﴾

(۶۵)۔اے اہلِ کتاب! کیوں ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں حجت کرتے ہو۔ حالانکہ تورات اور انجیل تو نازل نہیں ہوئیں مگر اُس کے بعد!! کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے؟(۶۶) تم وہی لوگ ہو جنہوں نے حجت بازی کی، اُس چیز میں جسے کچھ نہ کچھ جانتے تھے، مگر اُس چیز کے بارے میں کیوں جھگڑتے ہو جس کے بارے میں تم کوئی علم نہیں رکھتے، حالانکہ اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔(۶۷) ابراہیم نہ یہودی تھا اور نہ نصرانی، وہ تو ایک منقاد حنیف تھا اور مشرکین میں سے نہیں تھا۔

(۶۵۔۶۷)۔ ایسا کیوں ہے کہ تم اپنا مذہب ابراہیم علیہ السلام کی طرف منسوب کرتے ہو، ایسا کیوں کہتے ہو کہ ابراہیم یہودی تھا یا نصرانی۔ وہ نہ یہودی تھا نہ نصرانی اور نہ ہی مشرک، وہ تو ہمیشہ حق کی طرف مائل رہا، تورات اور انجیل تو اُس کے بہت بعد نازل ہوئیں، یہ تم عقل کے خلاف باتیں کیوں کرتے ہو۔

إِنَّ أَوْلَى ٱلنَّاسِ بِإِبْرَٰهِيمَ لَلَّذِينَ ٱتَّبَعُوهُ وَهَٰذَا ٱلنَّبِيُّ وَٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ۗ وَٱللَّهُ وَلِىُّ ٱلْمُؤْمِنِينَ ﴿٦٨﴾

(۶۸)۔بے شک ابراہیم (علیہ السلام) کے قریب تر وہ لوگ ہیں جنہوں نے اُس کی متابعت کی اور یہ پیغمبر اور وہ جو ایمان لائے، اور اللہ مومنوں کا ولی ہے۔

---

(۶۸)۔ اے گروہِ یہود! اور اے نصرانیو! نہ تم ابراہیم علیہ السلام کے نزدیک ہو اور نہ ہی تمہارا مذہب اُس کے مذہب کی مانند ہے۔ اُس کے قریبی لوگ یا وہی تھے جو اُن کی متابعت کرتے تھے یا محمد علیہ السلام اور اُن کے ایماندار ساتھی ہیں۔ اور اللہ اِنہی مومنوں کا ساتھی ہے۔

وَدَّت طَّآئِفَةٌ مِّنْ أَهْلِ ٱلْكِتَٰبِ لَوْ يُضِلُّونَكُمْ وَمَا يُضِلُّونَ إِلَّآ أَنفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ ﴿٦٩﴾

(۶۹)۔ اہلِ کتاب کے ایک گروہ کی یہ خواہش ہے کہ تمہیں گمراہ کردے، مگر اپنے آپ کے علاوہ کسی کو گمراہ نہیں کرسکتے اور یہ جانتے نہیں۔

(۶۹)۔ اِن کی کوشش یہ ہے کہ تم بھی اِن کی طرح بھٹک جاؤ، اسی لئے یہ اعتراضات کرتے ہیں اور اسی لئے اپنے مذہب کو ابراہیم علیہ السلام کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

يَٰٓأَهۡلَ ٱلۡكِتَٰبِ لِمَ تَكۡفُرُونَ بِـَٔايَٰتِ ٱللَّهِ وَأَنتُمۡ تَشۡهَدُونَ ﴿٧٠﴾ يَٰٓأَهۡلَ ٱلۡكِتَٰبِ لِمَ تَلۡبِسُونَ ٱلۡحَقَّ بِٱلۡبَٰطِلِ وَتَكۡتُمُونَ ٱلۡحَقَّ وَأَنتُمۡ تَعۡلَمُونَ ﴿٧١﴾

(۷۰)۔ اے اہلِ کتاب! کیوں اللہ کی آیات کے کافر بنتے ہو حالانکہ تم خود شاہد ہو۔ (۷۱) اے اہلِ کتاب! کیوں حق کو باطل کے ساتھ خلط ملط کرتے ہو (باطل کو حق کا جامہ پہناتے ہو) اور حق کو چھپاتے ہو، حالانکہ تم اُسے جانتے ہو۔

(۷۰۔۷۱)۔ جس کتاب پر وہ ایمان لائے تھے خود اُسی کے کافر بنتے تھے اور قرآن کی آیات کے بھی۔ حالانکہ اُس کی آیات کی حقانیت کے بھی شاہد تھے اور قرآن اور اپنی کتاب کے مضامین اور آیات کے مابین مماثلت کے بھی شاہد تھے۔ وہ کبھی اپنی توجیہات کی بدولت حق کو باطل کا جامہ پہناتے تھے اور کبھی باطل کو حق کا۔ اگر اپنی غلط اور جھوٹی توجیہات کے باوجود کبھی حق کو باطل یا باطل کو حق ثابت نہ کرپاتے تو حق کو چھپا لیتے تھے حالانکہ خوب جانتے تھے کہ حق کونسا ہے اور باطل کونسا۔ یعنی وہ انجانے میں یہ کام نہیں کرتے بلکہ غرض اور مرض کی وجہ سے کرتے ہیں، بِکے ہوئے ہیں، اِسی کام پر لگائے گئے (planted) ہیں اور اپنے اجر اور مزدوری کے عوض یہ کام کر رہے ہیں۔

وَقَالَت طَّآئِفَةٞ مِّنۡ أَهۡلِ ٱلۡكِتَٰبِ ءَامِنُواْ بِٱلَّذِيٓ أُنزِلَ عَلَى ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ وَجۡهَ ٱلنَّهَارِ وَٱكۡفُرُوٓاْ ءَاخِرَهُۥ لَعَلَّهُمۡ يَرۡجِعُونَ ﴿٧٢﴾ وَلَا تُؤۡمِنُوٓاْ إِلَّا لِمَن تَبِعَ دِينَكُمۡ قُلۡ إِنَّ ٱلۡهُدَىٰ هُدَى ٱللَّهِ أَن يُؤۡتَىٰٓ أَحَدٞ مِّثۡلَ مَآ أُوتِيتُمۡ أَوۡ يُحَآجُّوكُمۡ عِندَ رَبِّكُمۡۗ قُلۡ إِنَّ ٱلۡفَضۡلَ بِيَدِ ٱللَّهِ يُؤۡتِيهِ مَن يَشَآءُۗ وَٱللَّهُ وَٰسِعٌ عَلِيمٞ ﴿٧٣﴾ يَخۡتَصُّ بِرَحۡمَتِهِۦ مَن يَشَآءُۗ وَٱللَّهُ ذُو ٱلۡفَضۡلِ ٱلۡعَظِيمِ ﴿٧٤﴾

(۷۲)۔ اور اہلِ کتاب کے ایک گروہ نے کہا: دن کی ابتداء میں اُس چیز پر ایمان لے آؤ جو مسلمانوں پر نازل ہوئی ہے اور دن کے آخر میں اُس کا انکار کردو تاکہ وہ بھی برگشتہ ہوجائیں۔ (۷۳) اور اپنے دین کے متبعین کے علاوہ کسی کی بات کا اعتبار نہ کیا کرو۔ اِنہیں

کہو: صرف الٰہی ہدایت ہی اصل ہدایت ہے؛ اور یہ کہ کسی کو ویسا ہی کچھ دیا جائے جو تمہیں دی گئی چیز کی مانند ہو اور یا تمہارے ساتھ تمہارے رب کے سامنے حجت کر سکیں۔ اِنہیں کہو: فضل تو اللہ کے ہاتھ میں ہے، جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے اور اللہ خوب جاننے والا صاحبِ وسعت ہے۔ (۷۴) جسے چاہتا ہے اپنی نوازش کے لئے منتخب کرتا ہے اور اللہ بڑے فضل کا مالک ہے۔

(۷۲۔۷۴)۔ اِن کے دھوکے باز مذہبی اکابرین بعض لوگوں کی ذمہ داری لگا دیتے تھے کہ صبح کو مسلمانوں کے پاس جا کر اپنے ایمان لانے کا اعلان کریں مگر دن کے آخر میں دوبارہ اسلام سے اپنی برأت کا اعلان کر دیں اور کہیں کہ ہم نے اسلام کو قریب سے دیکھ لیا، اور جان گئے کہ یہ ماننے کے قابل دین نہیں ہے اِس سے ہمارا دین کہیں بہتر ہے۔ اِس طرح عام مسلمانوں میں اسلام کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا ہوں گے اور وہ اسلام سے برگشتہ ہو جائیں گے۔ مگر مسلمانوں کے پاس جا کر چند ضروری باتوں کا لازماً اہتمام کریں، وہ یہ کہ:

- خیال رکھیں کہ مسلمانوں کی باتوں اور اُن کے دین کے زیرِ اثر نہ آجانا۔ کان صرف اُن لوگوں کی باتوں پر دھرنا جو تمہارے اپنے دین کی متابعت کرتے ہوں اور بات بھی تمہارے مذہب کے مطابق کرتے ہوں۔
- یہ گمان کبھی نہ کرنا کہ یہود کے علاوہ بھی کسی پر وحی ہو سکے گی اور ایسی کوئی چیز نازل ہو جائے گی جو یہود پر نازل ہو چکی ہے۔
- یہ تشویش نہ کریں کہ کوئی قیامت کے دن اللہ کے سامنے تمہارے خلاف کوئی ایسی دلیل اور حجت پیش کر سکے گا جس سے تم پر کوئی الزام آجائے۔

اوپر والی آیات میں ایک مختصر فقرہ ایسا آیا ہے جو قل کے لفظ سے شروع ہوا ہے (قل ان هدى الله هو الهدى) یہ جملۂ معترضہ ہے، جو یہود کے مذہبی اکابرین کی گفتگو کے بیچ بیچ میں اور اُن کے اِس قول کی تردید کے لئے کہ: و لاتؤمنوا الا لمن تبع دينكم؛ اللہ نے اُن کے جواب میں فرمایا ہے۔ اُن کا تو مقصد یہ تھا کہ اپنے جاسوسوں کو بھیجتے وقت اُنہیں ہدایات دے دیں تاکہ اُن کو اپنے مذہب پر قائم رکھ سکیں اور اُنہیں کہہ دیں کہ ہمارے مذہب کے علاوہ کوئی اور سچا مذہب نہیں ہے، کہیں کسی دوسرے مذہب پر یقین نہ کر بیٹھنا۔ لہٰذا یہ جملہ معترضہ کہہ کر اللہ نے اُنہیں بتایا ہے کہ سیدھا راستہ اللہ کا راستہ ہے، حق مذہب وہی ہے جو اللہ کی رہنمائیوں کے مطابق ہے نہ کہ تمہارا مُحرف مذہب جو اللہ کی ہدایات کے خلاف ہے۔ اِس کے بعد دوبارہ اہلِ کتاب کی باقی ماندہ گفتگو نقل کی جاتی ہے۔ اُس کے جواب میں اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر کی رہنمائی کرتا ہے کہ اِنہیں کہو: فضل تو تمام اللہ کے ہاتھ میں ہے، تمہیں اللہ تعالیٰ کے فضل کی تقسیم کا حق کس نے دیا۔ یہ فیصلہ وہ خود کرتا ہے کہ کسے نواز دے

اور اللہ اپنے فضل کے مستحق لوگوں کو خوب جانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہاری طرح نہیں ہے، اُس کا فضل خوب وسیع ہے اور جسے چاہتا ہے اپنے فضل سے نواز دیتا ہے۔

۞ وَمِنْ أَهْلِ ٱلْكِتَٰبِ مَنْ إِن تَأْمَنْهُ بِقِنطَارٍ يُؤَدِّهِۦٓ إِلَيْكَ وَمِنْهُم مَّنْ إِن تَأْمَنْهُ بِدِينَارٍ لَّا يُؤَدِّهِۦٓ إِلَيْكَ إِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَآئِمًا ۗ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا۟ لَيْسَ عَلَيْنَا فِى ٱلْأُمِّيِّۦنَ سَبِيلٌ وَيَقُولُونَ عَلَى ٱللَّهِ ٱلْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿٧٥﴾

(٧٥)۔ اور اہلِ کتاب میں سے بعض ایسے ہیں کہ اگر کسی خزانے کے بھی امین بنائے جائیں تو واپس کر دیں گے جبکہ بعض ایسے ہیں کہ اگر ایک دینار کے بھی امین بنائے جائیں تو واپس نہیں کریں گے مگر یہ کہ مسلسل اُس (کے سر پر سوار) پر کھڑے رہو، یہ اس لئے کہ یہ کہتے ہیں کہ: اِن اُمیوں کے حوالے سے ہم پر کوئی الزام نہیں اور یہ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں حالانکہ وہ یہ بات جانتے ہیں۔

(٧٥)۔ اہلِ کتاب کو اپنے مذہبی اکابرین نے کہا تھا کہ غیر اہلِ کتاب سے تم جو بھی معاملہ کروگے اللہ اُس پر کوئی گرفت نہیں کرتا؛ چاہے اُن کے ساتھ دھوکہ کرو یا خیانت، اُن سے جھوٹ بولو یا اُن کا مال کھاؤ، کوئی پروا نہیں۔ وہ اِس بات کے فتوے دیا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ کام اللہ نے تمہارے لئے جائز ٹھہرائے ہیں، اللہ کی کتاب کی فلاں فلاں آیت کا یہی معنٰی ہے۔ یوں وہ اللہ اور اُس کی کتاب پر عمداً اور جان بوجھ کر افتراء باندھتے تھے یعنی جانتے تھے کہ اُن کا فتوی اللہ کی کتاب کے خلاف ہے پھر بھی یہی کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ اگر کوئی غیر یہودی ایک دینار بھی اُن کے پاس امانت رکھوا دیتا تھا تو واپس نہیں کرتے تھے۔ مگر اِن میں مخلص اور صادق اہلِ ایمان بھی تھے جو اللہ تعالیٰ اور آخرت پر دل سے یقین رکھتے تھے اور امین تھے۔ اُن کے پاس اگر کوئی امانت رکھ دیتا تھا تو کسی خیانت کے بغیر واپس کر دیا کرتے تھے چاہے یہ ڈھیروں مال یا کوئی قیمتی چیز ہی کیوں نہ ہو حتی کہ کسی خزانے جتنا قیمتی بھی۔ اسلام کی نگاہ میں ایمان اور خیانت اکٹھے نہیں ہو سکتے، جو امین نہیں ہوتا اُس کا ایمان نہیں ہوتا، لا ایمان لمن لا امانة له۔

بَلَىٰ مَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِۦ وَٱتَّقَىٰ فَإِنَّ ٱللَّهَ يُحِبُّ ٱلْمُتَّقِينَ ﴿٧٦﴾

(٧٦)۔ ہاں! مگر جس نے اپنے عہد کو وفا کیا اور (برائی سے) بچ کر رہا تو بے شک اللہ ایسے متقیوں سے محبت رکھتا ہے۔

(٧٦)۔ تم اپنے آپ کو اللہ کے چنے ہوئے بندے، اُس کے اولیاء اور دوست اور جنت کے بلا شرکتِ غیرے وارث سمجھتے ہو۔ اپنے مذہب سے باہر کے لوگوں کو ناخواندہ، ناسمجھ اور دوزخی سمجھتے ہو اور اُن کے ساتھ ہر معاملہ جائز سمجھتے ہو مگر جان لو کہ اللہ کے دوستوں کی دو بنیادی نشانیاں ہیں:

١. اپنے وعدوں کی پاسداری۔
٢. تقویٰ اور پرہیز گاری۔

اللہ صرف اُس سے محبت رکھتا ہے جو اپنے وعدوں کی، چاہے اللہ کے ساتھ کئے گئے ہیں یا اُس کے بندوں کے ساتھ، پاسداری کرتا ہے اور اُس چیز سے اپنا دامن بچاتا ہے جس سے اُس کے رب نے منع کیا ہے اور اُس سے جو اُس کی انسانی فطرت سے مطابقت نہیں رکھتا۔

إِنَّ ٱلَّذِينَ يَشۡتَرُونَ بِعَهۡدِ ٱللَّهِ وَأَيۡمَـٰنِهِمۡ ثَمَنًا قَلِيلاً أُوْلَـٰٓئِكَ لَا خَلَـٰقَ لَهُمۡ فِى ٱلۡأَخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ ٱللَّهُ وَلَا يَنظُرُ إِلَيۡهِمۡ يَوۡمَ ٱلۡقِيَـٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمۡ وَلَهُمۡ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٧٧﴾ وَإِنَّ مِنۡهُمۡ لَفَرِيقًا يَلۡوُ ۥنَ أَلۡسِنَتَهُم بِٱلۡكِتَـٰبِ لِتَحۡسَبُوهُ مِنَ ٱلۡكِتَـٰبِ وَمَا هُوَ مِنَ ٱلۡكِتَـٰبِ وَيَقُولُونَ هُوَ مِنۡ عِندِ ٱللَّهِ وَمَا هُوَ مِنۡ عِندِ ٱللَّهِ وَيَقُولُونَ عَلَى ٱللَّهِ ٱلۡكَذِبَ وَهُمۡ يَعۡلَمُونَ ﴿٧٨﴾

(٧٧)۔ یقیناً وہ جو اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کو تھوڑی قیمت پر بیچتے ہیں، اُن کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہوگا اور نہ قیامت کے دن اللہ اُن سے بات کرے گا اور نہ اُن پر نظر (عنایت) ڈالے گا اور نہ ہی اُن کو پاک کرے گا اور اُن کے لئے دردناک عذاب ہوگا۔ (٧٨) اور اِن میں سے ایک گروہ ایسا ہے کہ (اپنی تحریر اور) کتاب پر اپنی زبان کو اِس طرح چلا لیتے ہیں کہ تم اُس کو اللہ کی کتاب کا ایک حصہ سمجھ لو حالانکہ وہ اللہ کی کتاب کا حصہ نہیں ہوتا، وہ کہتے ہیں: یہ ساری باتیں اللہ کی طرف سے ہیں حالانکہ وہ اللہ کی طرف سے نہیں ہیں، اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں باوجود اِس کے کہ خوب جانتے ہیں۔

(٧٧-٧٨)۔ ملاحظہ کریں یہ دھوکے باز اور مکار گروہ اپنی تحریریں اور اپنی باتیں اللہ کی کتاب کی طرف منسوب کرتا ہے اور اپنی غلط اور خود غرضانہ تفسیر اور تعبیر کو الٰہی تعبیر کہتا ہے۔ یہ لوگ اِس قسم کی غلطیاں قصداً اور کھلی آنکھوں سے کرتے ہیں، خوب جانتے ہیں کہ یہ باتیں نہ تو کتاب میں درج ہیں اور نہ ہی الٰہی کتاب کا معنٰی وہ ہے جو یہ کہتے ہیں۔ اِس آیت کے بعد آنے

والی آیات سے یہ بات صاف ظاہر ہوتی ہے کہ اِس مرض میں مبتلا لوگ یا تو وہ لوگ ہیں جنہیں دین سے ناجائز فائدے اُٹھانا میراث میں ملا ہے، یا وہ حکمران ہیں جو دین کو اپنی زعامت اور حکمرانی کے اثبات کا ذریعہ اور لوگوں کی غلامی کا ہتھیار بنانا چاہتے ہیں اور یا وہ لوگ ہیں جو اپنا انتساب پیغمبروں اور دینی اکابرین کی طرف کرکے امتیازات حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جو بعض شخصیتوں کو الوہیّت کے مقام پر پہنچاتے، اُنہیں اللہ کا شریک بناتے اور اُنہیں علمِ غیب کا مالک اور متصرف بالکون ثابت کرتے ہیں۔ پھر اُن سے مدد مانگنا اور اُن کو وسیلہ بنانا لازمی قرار دیتے ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں کہ صرف اِنہی شخصیات کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے دربار میں رسائی پانا ممکن ہے۔ اِن کے یہ دعوے اُن قابلِ احترام شخصیات سے محبت اور اُن کے احترام کی وجہ سے نہیں ہوتے بلکہ اِن سے اِن کا مقصد اپنے فائدے حاصل کرنا ہوتا ہے۔ چونکہ اپنے آپ کو اِن شخصیات کے مادی اور معنوی مقام کے وارث سمجھتے اور بتاتے ہیں اِس لئے چاہتے ہیں کہ اِس طرح اپنا مقام اونچا کریں۔ جو بھی کرامت اُن کے لئے ثابت کرتے ہیں اُس کا فائدہ اِن کو ملتا ہے اور اُن کو امتیازات حاصل کرنے کا ذریعہ بناتے ہیں۔ قرآن کریم اِس بارے میں فرماتا ہے:

مَا كَانَ لِبَشَرٍ أَن يُؤْتِيَهُ ٱللَّهُ ٱلْكِتَـٰبَ وَٱلْحُكْمَ وَٱلنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُولَ لِلنَّاسِ كُونُوا۟ عِبَادًا لِّى مِن دُونِ ٱللَّهِ وَلَـٰكِن كُونُوا۟ رَبَّـٰنِيِّـۧنَ بِمَا كُنتُمْ تُعَلِّمُونَ ٱلْكِتَـٰبَ وَبِمَا كُنتُمْ تَدْرُسُونَ ﴿٧٩﴾ وَلَا يَأْمُرَكُمْ أَن تَتَّخِذُوا۟ ٱلْمَلَـٰٓئِكَةَ وَٱلنَّبِيِّـۧنَ أَرْبَابًا ۗ أَيَأْمُرُكُم بِٱلْكُفْرِ بَعْدَ إِذْ أَنتُم مُّسْلِمُونَ ﴿٨٠﴾

(۷۹)۔ کسی انسان کو یہ زیب نہیں دیتا کہ اللہ تعالیٰ اُسے کتاب، حکم اور نبوت سے سرفراز فرمائے اور پھر وہ (اِس الٰہی نوزش کے بعد) لوگوں کو کہے کہ: اللہ تعالیٰ کے علاوہ میرے بندے بنو! بلکہ (اس کے برعکس اُنہیں یہ زیب دیتا ہے کہ) کہیں: خداپرست بنو اِس لئے کہ تم تو دوسروں کو کتاب کی تعلیم دیتے ہو اور خود اُسے پڑھتے ہو۔ (۸۰) اور نہ وہ تمہیں یہ حکم دیتا ہے کہ فرشتوں اور نبیوں کو اپنے ارباب بناؤ، کیا وہ تمہیں کفر کا حکم دے گا بعد اِس کے کہ خود اُس کی دعوت ہی سے تم مشرف بہ اسلام ہوگئے ہو؟

(۷۹۔۸۰)۔ تم بہت سی باتیں پیغمبر کی طرف منسوب کرتے ہو۔ اپنے شرک، فساد، گناہ اور خیانت کی توجیہہ کے لئے ایسی روایات پیدا کرتے ہو جو پیغمبر کی طرف منسوب کرلیتے ہو۔ مگر یہ نہیں سوچتے کہ کیسے ممکن ہے کہ اللہ کا ایک پیغمبر لوگوں کو کہہ

دے کہ اللہ کو چھوڑ کر میری عبادت کرو، مجھے خدائی کا مقام دو، مجھ سے دعائیں مانگو، مجھ سے اپنی حاجات پوری کرنے کی اُمیدیں باندھو اور مجھے ضرر اور فائدہ پہنچانے کا اختیار مند سمجھ لو۔ پیغمبر کی بات تو اِس کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتی کہ اللہ والے بنو۔ اے اہلِ کتاب کے مذہبی اکابرین! تم کیونکر یہ بات نہیں سمجھ سکتے کہ اللہ کے پیغمبر کبھی ایسی باتیں نہیں کرتے۔ تم تو اللہ کی کتاب کی تعلیم و تدریس کا دعویٰ کرتے ہو اور اللہ کی کتاب کی بنیادی اور اساسی بات یہی ہے کہ صرف ایک خدا کی عبادت کرو۔ تمہاری یہ بات کس طرح تسلیم کی جائے کہ اللہ کے کسی پیغمبر نے لوگوں کو کہا ہے کہ فرشتوں یا نبیوں کو ربوبیت میں شریک کر لو۔ تم تو پیغمبر ہی کے ہاتھ پر ہدایت پا گئے ہو اُس نے کیسے تمہیں دوبارہ کافر ہونے کی دعوت دی ہو گی۔ یہ جو کچھ تم اپنے پیغمبر کی طرف منسوب کرتے ہو یہ تو کفر کی طرف دعوت ہے۔

اِس آیت سے اور دوسری بہت ساری آیات سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبروں کی طرف منسوب جعلی روایات اللہ کی کتاب سے انحراف کی ایک بڑی وجہ ہے۔ دھوکے باز مذہبی پیشوا یہ ہمت نہیں کر سکتے تھے کہ سیدھے سیدھے اللہ کی کتاب کی تحریف کر ڈالیں اِس لئے یہ راستہ اختیار کر لیتے تھے۔ اب بھی اگر آپ اُمت میں اختلاف اور انحراف کے عوامل تلاش کریں تو اُس کے تہہ میں سب سے بڑے اور اساسی عامل کے طور پر آپ کو جعلی، موضوع اور ضعیف روایات ہی ملیں گی۔

وَإِذْ أَخَذَ ٱللَّهُ مِيثَـٰقَ ٱلنَّبِيِّـۧنَ لَمَآ ءَاتَيْتُكُم مِّن كِتَـٰبٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُولٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِۦ وَلَتَنصُرُنَّهُۥ ۚ قَالَ ءَأَقْرَرْتُمْ وَأَخَذْتُمْ عَلَىٰ ذَٰلِكُمْ إِصْرِى ۖ قَالُوٓا۟ أَقْرَرْنَا ۚ قَالَ فَٱشْهَدُوا۟ وَأَنَا۠ مَعَكُم مِّنَ ٱلشَّـٰهِدِينَ ﴿٨١﴾

(۸۱)۔ اور جب اللہ نے پیغمبروں سے وعدہ لیا کہ میں نے تمہیں کتاب اور حکمت عطا کی، تو پھر جب تمہارے پاس کوئی ایسا پیغمبر آ جائے جو تمہیں دی گئی کتاب کی تصدیق کرتا ہو تو ضرور اُس پر ایمان لاؤ گے اور اُس کی مدد کرو گے، فرمایا: کیا تم اِس کا اقرار کرتے ہو اور میرا یہ بھاری بوجھ اپنے کندھوں پر اُٹھاتے ہو؟ تو انہوں نے کہا: ہم اقرار کرتے ہیں، تو فرمایا: گواہ رہو اور میں بھی گواہوں میں سے ہوں۔

(٨١)۔ پیغمبروں سے اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ لیا ہے کہ ایک دوسرے کی مدد کریں گے۔ اِس عہد میں اُن کے اُمتی بھی شامل ہیں، یہ بھی اُن ہی کے نقشِ قدم پر چلیں گے اور ہر مومن اور کتاب کی تصدیق کرنے والے کا ساتھ دیں گے۔ جو کوئی یہ کام نہیں کرے گا اُس نے درحقیقت اللہ سے کیا گیا وعدہ توڑا ہے اور پیغمبروں کے راستے سے انحراف کیا ہے۔

فَمَن تَوَلَّىٰ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَأُوْلَٰٓئِكَ هُمُ ٱلْفَٰسِقُونَ ﴿٨٢﴾

(٨٢)۔ تو جو اِس کے بعد پیچھے ہٹیں گے وہی فاسق ہیں۔

---

(٨٢)۔ اِس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اوپر ذکر کیے گئے عہد میں اُن کے اُمتی بھی شامل ہیں۔

أَفَغَيْرَ دِينِ ٱللَّهِ يَبْغُونَ وَلَهُۥٓ أَسْلَمَ مَن فِى ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ طَوْعًا وَكَرْهًا وَإِلَيْهِ يُرْجَعُونَ ﴿٨٣﴾

(٨٣)۔ کیا اللہ کے دین کے علاوہ (دین) کی تلاش میں لگے ہوئے ہو، حالانکہ آسمانوں اور زمین کی ہر چیز، طوعاً اور کرہاً (چاہتے اور نہ چاہتے ہوئے) اُس کے تابع فرمان ہے اور اُسی کی طرف پھیری جاتی ہے۔

---

(٨٣)۔ زمین اور آسمان کی ہر چیز اللہ کی فرمان بردار ہے اور سب کا دین اسلام ہے۔ سب وہی کچھ کرتے ہیں جو اللہ نے اُن کی ذمہ داری ٹھہرائی ہے اور اُسی راستے پر چلتے ہیں جو اللہ نے اُن کے لئے مقرر کیا ہوا ہے۔ سورج، چاند، ستارے سب اپنے اپنے مدار میں چلتے ہیں اور اپنے اپنے وقت پر اپنی اپنی جگہ سے طلوع اور غروب ہوتے ہیں۔ درخت پودے اور حیوانات اپنی اپنی فطرت کے مطابق اپنے اپنے کام میں لگے ہوئے ہیں۔ تمام مخلوقات میں سے صرف کافر اور عاصی انسان ہی ایک ایسی مخلوق ہے جو اللہ کے دین کے علاوہ کسی چیز کی تلاش میں پڑ جاتی ہے۔ یوں وہ اللہ کے دین کی نسبت سے بھی کافر ہو جاتا ہے اور اپنی فطرت کے حوالے سے بھی؛ پس یہ بہت بڑا باغی ہے ایک ایسے دین سے بغاوت کر بیٹھا ہے جو زمین و آسمان کی ہر چیز کا دین ہے۔

قُلۡ ءَامَنَّا بِٱللَّهِ وَمَآ أُنزِلَ عَلَيۡنَا وَمَآ أُنزِلَ عَلَىٰٓ إِبۡرَٰهِيمَ وَإِسۡمَٰعِيلَ وَإِسۡحَٰقَ وَيَعۡقُوبَ وَٱلۡأَسۡبَاطِ وَمَآ أُوتِيَ مُوسَىٰ وَعِيسَىٰ وَٱلنَّبِيُّونَ مِن رَّبِّهِمۡ لَا نُفَرِّقُ بَيۡنَ أَحَدٖ مِّنۡهُمۡ وَنَحۡنُ لَهُۥ مُسۡلِمُونَ ﴿٨٤﴾

(٨٤)۔ کہو ہم اللہ پر ایمان لائے اور اُس چیز پر بھی جو ہم پر نازل ہوئی اور ابراہیم، اسمٰعیل، اسحاق، یعقوب اور اُن کی اولاد پر نازل ہوئی اور اُس چیز پر جو موسیٰ، عیسیٰ اور دوسرے انبیاء کو اُن کے رب کی طرف سے دی گئی ہے اِن میں سے کسی میں ہم تفریق نہیں کرتے اور ہم اِن کے سامنے سرِ تسلیم خم کئے ہوئے ہیں۔

---

(٨٤)۔ اللہ تعالیٰ اور اُس کے پیغمبروں پر ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ تم اللہ کی ہر کتاب اور ہر پیغمبر پر ایمان رکھو اور اُن کے درمیان کوئی فرق روانہ رکھو، اور عملاً اللہ کے احکام کے آگے منقاد اور فرمان بردار رہو۔

وَمَن يَبۡتَغِ غَيۡرَ ٱلۡإِسۡلَٰمِ دِينٗا فَلَن يُقۡبَلَ مِنۡهُ وَهُوَ فِي ٱلۡأٓخِرَةِ مِنَ ٱلۡخَٰسِرِينَ ﴿٨٥﴾

(٨٥)۔ اور جو کوئی اسلام کے علاوہ کسی دوسرے دین کی تلاش میں لگ جائے وہ اُس سے کبھی قبول نہ کیا جائے گا اور آخرت میں زیاں کاروں میں سے ہو گا۔

---

(٨٥)۔ اسلام کے علاوہ کوئی دین اللہ کے ہاں قبول نہیں ہو گا۔ اسلام تمام کائنات کا دین ہے اور انسان کا بھی؛ کائنات کے لئے تکوینی دین اور انسان کے لئے فطری بھی اور تشریعی بھی۔ اسلام: یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے وضع کی گئی سنن و اوامر کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنا؛ پس جو کوئی اپنے آپ کو دیندار کہتا ہے یا یہ گمان اور دعویٰ کرتا ہے کہ الٰہی دین اُس کا دین اور مذہب ہے مگر اپنے اعمال میں اللہ کے حکم کی متابعت نہیں کرتا تو اُس کا یہ دعویٰ جھوٹا ہے اور اُس کا یہ دین اللہ کو قبول نہیں ہے۔ اُس کے تمام اعمال حبط ہیں۔

كَيۡفَ يَهۡدِي ٱللَّهُ قَوۡمٗا كَفَرُواْ بَعۡدَ إِيمَٰنِهِمۡ وَشَهِدُوٓاْ أَنَّ ٱلرَّسُولَ حَقّٞ وَجَآءَهُمُ ٱلۡبَيِّنَٰتُۚ وَٱللَّهُ لَا يَهۡدِي ٱلۡقَوۡمَ ٱلظَّٰلِمِينَ ﴿٨٦﴾ أُوْلَٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمۡ أَنَّ عَلَيۡهِمۡ لَعۡنَةَ ٱللَّهِ وَٱلۡمَلَٰٓئِكَةِ وَٱلنَّاسِ أَجۡمَعِينَ ﴿٨٧﴾ خَٰلِدِينَ فِيهَا لَا يُخَفَّفُ عَنۡهُمُ ٱلۡعَذَابُ وَلَا هُمۡ يُنظَرُونَ ﴿٨٨﴾ إِلَّا

ٱلَّذِينَ تَابُواْ مِنۢ بَعۡدِ ذَٰلِكَ وَأَصۡلَحُواْ فَإِنَّ ٱللَّهَ غَفُورٞ رَّحِيمٌ ﴿٨٩﴾ إِنَّ ٱلَّذِينَ كَفَرُواْ بَعۡدَ إِيمَٰنِهِمۡ ثُمَّ ٱزۡدَادُواْ كُفۡرٗا لَّن تُقۡبَلَ تَوۡبَتُهُمۡ وَأُوْلَٰٓئِكَ هُمُ ٱلضَّآلُّونَ ﴿٩٠﴾ إِنَّ ٱلَّذِينَ كَفَرُواْ وَمَاتُواْ وَهُمۡ كُفَّارٞ فَلَن يُقۡبَلَ مِنۡ أَحَدِهِم مِّلۡءُ ٱلۡأَرۡضِ ذَهَبٗا وَلَوِ ٱفۡتَدَىٰ بِهِۦٓۗ أُوْلَٰٓئِكَ لَهُمۡ عَذَابٌ أَلِيمٞ وَمَا لَهُم مِّن نَّٰصِرِينَ ﴿٩١﴾

(٨٦)۔اُس قوم کو اللہ کس طرح ہدایت سے نوازے گا جو ایمان لانے کے بعد کافر ہوئی، اِس حال میں کہ وہ پیغمبر کے حقانیت کی شاہد تھی اور اُن کے پاس کھلی نشانیاں آگئی تھیں اور اللہ ایسے ظالموں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔(٨٧)اُن کی جزا یہ ہے کہ اُن پر اللہ، فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت برستی ہوگی۔(٨٨)اُس میں ہمیشہ رہیں گے، نہ اُن سے عذاب گھٹایا جائے گا اور نہ مہلت دی جائے گی۔(٨٩)مگر وہ جنہوں نے اِس کے بعد توبہ کی اور اِصلاح کی تو اللہ مہربان معاف کرنے والا ہے۔(٩٠)یقیناً وہ جو ایمان لانے کے بعد کافر ہوئے، پھر کفر میں آگے بڑھتے گئے، اُن کی توبہ کبھی بھی قبول نہیں کی جائے گی اور یہی گمراہ ہیں۔(٩١)یقیناً جو کافر ہوئے اور ایسے حال میں مر گئے کہ ابھی کافر تھے تو اُن میں سے کسی ایک سے بھی روئے زمین بھر کر بھی سونا قبول نہیں کیا جائے گا اگرچہ فدیہ کرنا چاہے۔اِس گروہ کے لئے دردناک عذاب ہے اور اِن کا کوئی مددگار نہیں۔

(٨٦۔٩١)۔ایمان لانے کے بعد اِس حال میں کفر اختیار کرنا کہ پیغمبر کی حقانیت ثابت ہو چکی ہو اور کھلی نشانیاں بھی سامنے پڑی ہوئی ہوں، اتنا بڑا جرم اور ظلم ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور ہر لعنت بھیجنے والے کے لعنت کا مستحق ہے۔ایسے ظالم لوگ ہدایت سے محروم ہیں، اِن کی توبہ اُس صورت میں قبول ہوگی کہ نہ صرف اپنے عقیدے اور عمل کی اصلاح کر لیں بلکہ وہ فساد بھی دوبارہ درست کر دیں جو ایمان سے دوبارہ کفر کی طرف مڑ کر اُنہوں نے برپا کیا ہے۔

لَن تَنَالُواْ ٱلۡبِرَّ حَتَّىٰ تُنفِقُواْ مِمَّا تُحِبُّونَۚ وَمَا تُنفِقُواْ مِن شَيۡءٖ فَإِنَّ ٱللَّهَ بِهِۦ عَلِيمٞ ﴿٩٢﴾

(٩٢)۔کبھی بھی بھلائی نہ پا سکو گے جب تک اپنی محبوب چیزوں میں سے انفاق نہ کرو اور جو کچھ تم انفاق کرتے ہو اللہ اُسے خوب جانتا ہے۔

(۹۲)۔ ابرار کا مقام اُس وقت حاصل ہو سکتا ہے جب تم قربانی پر تیار ہو جاؤ۔ عام اور معمولی چیزوں کی قربانی نہیں بلکہ اُن چیزوں کی قربانی جن کے ساتھ تم محبت رکھتے ہو۔ اور جو کچھ بھی تم اللہ کی راہ میں قربان کرتے ہو، اچھایابُرا، تھوڑایازیادہ، تمہیں محبوب یا غیر محبوب؛ اللہ اُسے جانتا ہے۔

۞ كُلُّ ٱلطَّعَامِ كَانَ حِلاًّ لِّبَنِىٓ إِسۡرَٰٓءِيلَ إِلَّا مَا حَرَّمَ إِسۡرَٰٓءِيلُ عَلَىٰ نَفۡسِهِۦ مِن قَبۡلِ أَن تُنَزَّلَ ٱلتَّوۡرَىٰةُ ۗ قُلۡ فَأۡتُواْ بِٱلتَّوۡرَىٰةِ فَٱتۡلُوهَآ إِن كُنتُمۡ صَٰدِقِينَ ﴿٩٣﴾

(۹۳)۔ کھانے کی تمام چیزیں بنی اسرئیل کے لئے حلال تھیں، مگر وہ جو تورات کے نازل ہونے سے قبل اسرائیل (یعقوب علیہ السلام) نے اپنے اوپر حرام کرر کھی تھیں۔ اِنہیں کہو: اگر سچے ہو تو لاؤ تورات اور پڑھ لو۔

---

(۹۳)۔ یہاں پھر یہ بات دہرائی گئی ہے کہ مذہبی انحراف دراصل بدعت سے شروع ہوتا ہے۔ دین میں دخل اندازی کی جاتی ہے اور وہ بھی ایسی کہ کوئی چیز گھٹا کر نہیں بلکہ کچھ بڑھا کر کی جاتی ہے، حلال کو حرام کر کے یعنی تقویٰ کے نام پر کچھ بڑھا لینے سے۔ پیغمبر علیہ السلام پر بنی اسرائیل کے دھوکہ باز پیشواؤں کا اعتراض یہ نہیں تھا کہ کیوں حلال چیزوں کو حرام قرار دیتا ہے بلکہ اُن کا اعتراض یہ تھا کہ حرام چیزوں کو حلال کرتا ہے۔ ہم کس طرح آپ (ﷺ) کو ایک مذہبی پیشوا کے طور پر تسلیم کرلیں کہ آپؐ سے تو ہم بھی تقویٰ میں بڑھے ہوئے ہیں۔ کہتے تھے کہ آئیں اور دیکھیں! اِس سے زیادہ تو ہم حرام حلال کا خیال رکھتے ہیں۔ ملاحظہ کریں یہ تو بہت سی ایسی چیزوں کو بھی حلال قرار دے رہے ہیں جنہیں ہم جیسے بھی حرام سمجھتے ہیں؛ یہ تقویٰ ہمیں ہمارے جد ابراہیم علیہ السلام اور ہمارے باپ یعقوب علیہ السلام سے ورثے میں ملا ہے۔ اللہ تعالیٰ اُن کے جواب میں فرماتا ہے: اللہ کے دین میں طعام سے متعلق یہ تمام چیزیں حلال تھیں، اِنہیں حرام کرنا تمہارا ذاتی فعل ہے نہ کہ اللہ کی کتاب کا کوئی حکم۔ یعقوب علیہ السلام اگر کسی چیز کے کھانے سے مجتنب رہے تو ایک طرف تو یہ اُن کا شخصی عمل تھا اور دوسری طرف یہ تورات کے نزول سے پہلے کی بات تھی۔ اِسے بنیاد بنا کر حلال چیزوں کو حرام کرنا ایک غلط استدلال اور بے بنیاد توجیہ ہے۔

فَمَنِ ٱفۡتَرَىٰ عَلَى ٱللَّهِ ٱلۡكَذِبَ مِنۢ بَعۡدِ ذَٰلِكَ فَأُوْلَٰٓئِكَ هُمُ ٱلظَّٰلِمُونَ ﴿٩٤﴾

(۹۴)۔ تو جنہوں نے اِس کے بعد اللہ پر جھوٹ باندھا، پس وہی ظالم ہیں۔

(۹۴)۔ ظالم وہ ہے جو اپنا جھوٹ اللہ کی طرف منسوب کرے اور اپنی گھڑی ہوئی باتیں اللہ کی طرف سے پیش کرے۔ اِس سے بڑے ظلم کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اِن کے مذہبی اکابرین یہ کام کرتے تھے اور ہر دھوکے باز مذہبی پیشوا ایسا ہی کرتا ہے۔

قُلْ صَدَقَ ٱللَّهُ ۗ فَٱتَّبِعُوا۟ مِلَّةَ إِبْرَٰهِيمَ حَنِيفًا وَمَا كَانَ مِنَ ٱلْمُشْرِكِينَ ﴿٩٥﴾

(۹۵)۔ اِنہیں کہو اللہ کی بات سچی ہے، پس ملتِ ابراہیم کی متابعت کرو، وہی (ابراہیم) جو حنیف تھا اور مشرکین میں سے نہیں تھا۔

---

(۹۵)۔ اللہ تعالیٰ نے حرام اور حلال کے بارے میں، یا ابراہیم اور یعقوب علیہما السلام کے بارے میں جو کچھ فرمایا ہے وہی سچ ہے۔ پس ابراہیم علیہ السلام کی ملت اور مذہب اپناؤ کہ وہ ہمیشہ حق کا تابع رہا اور وہ شرک سے بری اور بیزار تھا۔

إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِى بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَهُدًى لِّلْعَٰلَمِينَ ﴿٩٦﴾ فِيهِ ءَايَٰتٌۢ بَيِّنَٰتٌ مَّقَامُ إِبْرَٰهِيمَ ۖ وَمَن دَخَلَهُۥ كَانَ ءَامِنًا ۗ وَلِلَّهِ عَلَى ٱلنَّاسِ حِجُّ ٱلْبَيْتِ مَنِ ٱسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا ۚ وَمَن كَفَرَ فَإِنَّ ٱللَّهَ غَنِىٌّ عَنِ ٱلْعَٰلَمِينَ ﴿٩٧﴾

(۹۶)۔ یقیناً لوگوں کے لئے جو پہلا گھر وضع ہوا ہے وہی ہے جو مکہ میں ہے؛ مبارک اور دنیا والوں کے لئے رہنما۔ (۹۷)۔ اِس میں واضح نشانیاں ہیں؛ ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ اور جو اِس میں داخل ہو جاتا ہے مامون رہتا ہے اور لوگوں پر اللہ کا حق ہے کہ جس کسی کو استطاعت نصیب ہو وہ اِس گھر کا حج ادا کرے۔ اور جس نے کفر کیا تو اللہ دنیا والوں سے بے نیاز ہے۔

(۹۶۔۹۷)۔ یہ مبارک آیات کئی رہنمایئاں ہمارے سامنے رکھتی ہیں:

- مکہ مکرمہ کا یہ گھر، بیت اللہ، یہ ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام کے ہاتھوں آباد کیا گیا مبارک گھر، دنیا کا پہلا گھر ہے جو لوگوں کے لئے پسند کیا گیا ہے، اُن کی عبادت کے لئے اور بطور قبلہ کے۔
- اِس بات کے اثبات کے لئے کہ یہ اللہ کی طرف سے تعمیر کیا گیا پہلا گھر ہے چند دلائل پیش کئے گئے ہیں: یہ کہ یہاں ابراہیم علیہ السلام کی اقامت کی جگہ موجود ہے جبکہ بنی اسماعیل کی یہاں موجودگی اِس بات کی روشن دلیل ہے کہ یہ گھر ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام کے ہاتھوں تعمیر کیا گیا ہے۔ تمام عرب اِس بات پر متفق ہیں کہ یہ گھر اُنہوں نے بنایا ہے اور

یہاں ابراہیم علیہ السلام کے پیروں کے نشان اور کھڑے ہونے کی جگہ موجود ہے۔ اب اِس میں تو کوئی شک نہیں کہ ابراہیم علیہ السلام ـــــ موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام سے بہت پہلے گزرے ہیں اور اِن دونوں کا قبلہ کعبے کے کافی عرصے بعد بنایا گیا ہے۔

- تمام عرب اِس گھر کا احترام کرتے ہیں۔ اِس حد تک کہ جب کوئی اِس گھر کی حدود میں داخل ہو جاتا ہے تو وہ ہر قِسم کے مواخذے اور ہر گرفت سے مامون ہو جاتا ہے۔ اگر یہاں اپنے باپ کے قاتل سے بھی کسی کا سامنا ہو جائے تو اِس گھر کے احترام میں اُس سے انتقام نہیں لیا جاتا۔
- آپ جانتے ہیں کہ صدیوں سے لوگ اللہ کے لئے اِس گھر کے پاس جمع ہو کر مناسکِ حج ادا کرتے ہیں۔
- بہت سے لوگ اِس گھر کے منکر ہو چکے ہیں اور اِس کی ہتکِ حرمت اور لوگوں میں اِس کے اعتبار کے درپے ہوئے ہیں مگر اللہ تعالیٰ نے خود اِس گھر کی حفاظت کی ہے۔ وہ اِس گھر کے دفاع اور حفاظت کے لئے تمام لوگوں کے سامنے بار بار اپنی مدد کا ثبوت پیش کر چکا ہے۔

یہ تمام باتیں اِس بات کی نشانیاں ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ایک منتخب اور مبارک گھر ہے۔

قُلْ يَٰٓأَهْلَ ٱلْكِتَٰبِ لِمَ تَكْفُرُونَ بِـَٔايَٰتِ ٱللَّهِ وَٱللَّهُ شَهِيدٌ عَلَىٰ مَا تَعْمَلُونَ ﴿٩٨﴾ قُلْ يَٰٓأَهْلَ ٱلْكِتَٰبِ لِمَ تَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ ٱللَّهِ مَنْ ءَامَنَ تَبْغُونَهَا عِوَجًا وَأَنتُمْ شُهَدَآءُ ۗ وَمَا ٱللَّهُ بِغَٰفِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿٩٩﴾

(۹۸)۔ کہو: اے اہلِ کتاب! کیوں اللہ کے آیات کے کفر کے مرتکب ہوتے ہو، اِس حال میں کہ اللہ تمہارے اعمال کا شاہد ہے۔ (۹۹) کہو: اے اہلِ کتاب! کیوں اللہ کے راستے سے اُن لوگوں کو منع کرتے ہو جو ایمان لائے ہیں، اُن کے لئے کجی پیدا کرتے ہو اِس حال میں کہ تم خود اِس کے شاہد ہو۔ اور اللہ اُس چیز سے غافل نہیں ہے جو تم کرتے ہو۔

(۹۸۔۹۹)۔ اہلِ کتاب کی چند باتیں نہایت قابلِ تعجب ہیں:

- اللہ تعالیٰ پر ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں، اُسے اپنے اعمال کا ناظر اور شاہد سمجھتے ہیں مگر اِس کے باوجود اُس کے سامنے اُس کی آیات کا انکار کرتے ہیں۔
- اپنے آپ کو مومن کہتے ہیں مگر مومنوں کی راہ میں رکاوٹ بنتے ہیں۔

- اللہ کے دین میں کجی اور ٹیڑھ تلاش کرتے ہیں۔ نہ صرف یہ کہ صاف اور سیدھے راستے پر چلتے نہیں ہیں بلکہ اُس پر چلنے کے بجائے یہ کوشش کرتے ہیں کہ اپنی ٹیڑھی راہوں کی توجیہہ کے لئے دین کی ٹیڑھی اور اُلٹی تعبیریں اور تاویلیں ڈھونڈیں۔ یہ کام ایسی حالت میں کرتے ہیں کہ اپنی ٹیڑھی تاویل اور تحریف کی ماہیت بھی خوب جانتے ہیں اور اِس بات پر یقین کا دعویٰ بھی کرتے ہیں کہ اللہ اُن کے کیے کرائے اور اعمال سے غافل نہیں ہے۔

يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ إِن تُطِيعُوا۟ فَرِيقًا مِّنَ ٱلَّذِينَ أُوتُوا۟ ٱلْكِتَـٰبَ يَرُدُّوكُم بَعْدَ إِيمَـٰنِكُمْ كَـٰفِرِينَ ﴿١٠٠﴾

(۱۰۰)۔ اے ایمان والو! اگر تم نے اہلِ کتاب کے کسی گروہ کی اطاعت کی تو یہ تمہارے ایمان لانے کے بعد پھر تمہیں کفر کی طرف پھیر لیں گے۔

---

(۱۰۰)۔ اہلِ کتاب کے تمام گروہ کسی نہ کسی معاملہ میں کسی نہ کسی حد تک حقیقی دین سے بھٹک گئے ہیں۔ اگر تم نے اِن کے کسی بھی فرقے کی بات مان لی اور اُن کی متابعت کی تو اُنہی کی مانند ہو جاؤ گے یعنی ایمان لانے کے بعد کافر بن جاؤ گے۔ اِن کی تمام تر کوشش یہی ہے کہ تمہیں اپنے ایمان سے پھرا لے جائیں۔

یہاں اِس سورت کا پہلا حصہ ختم ہوتا ہے اور دوسرا شروع ہو جاتا ہے۔

وَكَيْفَ تَكْفُرُونَ وَأَنتُمْ تُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ ءَايَـٰتُ ٱللَّهِ وَفِيكُمْ رَسُولُهُۥ ۗ وَمَن يَعْتَصِم بِٱللَّهِ فَقَدْ هُدِىَ إِلَىٰ صِرَٰطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿١٠١﴾

(۱۰۱) کیسے کفر اختیار کرتے ہو حالانکہ تمہیں اللہ کی آیات سنائی جا رہی ہیں اور اُس کا پیغمبر تمہارے درمیان موجود ہے۔ اور جو اللہ پر اعتصام کر لیتا ہے تو یقیناً اُسے سیدھے راستے کی طرف ہدایت دے دی گئی۔

---

(۱۰۱)۔ آیت کے پہلے حصے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں اعتصام باللہ سے مراد ایمان باللہ اور اللہ کے ساتھ اپنا تعلق مضبوط رکھنا ہے۔ قرآن کی آیات کے ترجمے میں دقتِ نظر اور احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ ہر آیت کا اپنی موجود ترکیب کے ساتھ کسی کمی بیشی کے بغیر ترجمہ کیا جائے۔ یہاں (من یعتصم باللہ) کہا گیا ہے نہ کہ (من یعتصم بحبلِ اللہ)، اعتصام باللہ کا الگ معنیٰ ہے اور اعتصام بحبلِ اللہ کا الگ۔ ایک سے مراد اللہ کے ساتھ اپنا تعلق مضبوط رکھنا ہے اور دوسرا اللہ کے دین کو مضبوطی سے تھام لینا بیان کرتا ہے۔

اِس آیت سے سورت کا دوسرا حصہ شروع ہوتا ہے اور اِس کا عنوان ربط و مرابطہ ہے۔ اِس میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ ربط، اللہ تعالیٰ کی کتاب کے ساتھ ربط، مومنوں کے ساتھ ربط اور اِس ربط و تعلق کے ابعاد کی توضیح کی گئی ہے۔

يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِۦ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنتُم مُّسْلِمُونَ ﴿١٠٢﴾ وَٱعْتَصِمُوا۟ بِحَبْلِ ٱللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا۟ ۚ وَٱذْكُرُوا۟ نِعْمَتَ ٱللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنتُمْ أَعْدَآءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُم بِنِعْمَتِهِۦٓ إِخْوَٰنًا وَكُنتُمْ عَلَىٰ شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ ٱلنَّارِ فَأَنقَذَكُم مِّنْهَا ۗ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ ٱللَّهُ لَكُمْ ءَايَـٰتِهِۦ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿١٠٣﴾

(۱۰۲)۔اے ایمان والو! اللہ سے اِس طرح ڈرو جس طرح اُس سے ڈرنے کا حق ہے اور تمہیں موت نہ آئے مگر اِس حال میں کہ تم مسلمان ہو۔(۱۰۳) اور تم سب اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑلو اور تفرقہ میں نہ پڑو اور اللہ کی اُس نعمت کو یاد کرو کہ تم آپس میں دشمن تھے مگر اللہ نے تمہارے دلوں میں اُلفت ڈال دی اور اُس کے فضل سے تم آپس میں بھائی بھائی بن گئے اور تم آگ کی ایک کھائی کے کنارے پر تھے تو اُس نے تمہیں بچالیا اِسی طرح اللہ تمہارے لئے اپنی آیات بیان کرتا ہے تاکہ تم ہدایت پاؤ۔

(۱۰۲۔۱۰۳)۔ تمہیں صرف ایک اللہ کا خوف ہونا چاہیے۔ اُس چیز سے بچو جو اللہ کو ناراض کرنے والی ہو۔ اللہ سے تمہارا خوف ویسا ہی ہونا چاہیے جیسا اُس کے ساتھ زیبا ہے۔ تمہیں ہمیشہ اور زندگی کے آخری سانس تک اللہ کا فرمان بردار رہنا چاہیے اور تمہاری زندگی اور موت مسلمانی کی حالت میں ہونی چاہیے۔ الگ الگ بھی اور سب مل کر بھی اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو، تمہاری وحدت کی زنجیر اللہ کا دین ہونا چاہیے اور تمہارے تمام تعلقات اللہ کے دین کی بنیاد پر منظم اور استوار ہونے چاہئیں۔ خوب جان لو کہ اللہ کا دین ہی وحدت و یگانگت کا ضامن ہے۔ دین پر تمسک ہی سے آپ متحد ہوں گے اور اگر اِس رسی پر تمہاری گرفت ڈھیلی پڑ گئی تو تفرقے کا شکار ہو جاؤ گے، اختلاف میں پڑ جاؤ گے اور اختلاف کے عواقب تم اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے ہو۔ وہ وقت یاد کرو جب مسلمان ہونے سے پہلے تم شدید اختلافات میں ڈوبے ہوئے تھے۔ مدینہ آگ کی ایک کھائی بنی ہوئی تھی اور ہر لحہ ایک تباہ کن لڑائی کا خطرہ سر پر منڈلاتا تھا مگر اللہ نے اپنی عظیم نعمت، یعنی اِس دین کی نعمت سے تمہیں نواز دیا۔ اِس الہیٰ نعمت کی بدولت تم اختلافات اور آگ کی اُس کھائی سے بچالئے گئے، تمہارے دل آپس میں جُڑ گئے اور تم سب آپس میں بھائی بھائی بن گئے۔

وَلۡتَكُن مِّنكُمۡ أُمَّةٞ يَدۡعُونَ إِلَى ٱلۡخَيۡرِ وَيَأۡمُرُونَ بِٱلۡمَعۡرُوفِ وَيَنۡهَوۡنَ عَنِ ٱلۡمُنكَرِۚ وَأُوْلَٰٓئِكَ هُمُ ٱلۡمُفۡلِحُونَ ﴿١٠٤﴾ وَلَا تَكُونُواْ كَٱلَّذِينَ تَفَرَّقُواْ وَٱخۡتَلَفُواْ مِنۢ بَعۡدِ مَا جَآءَهُمُ ٱلۡبَيِّنَٰتُۚ وَأُوْلَٰٓئِكَ لَهُمۡ عَذَابٌ عَظِيمٞ ﴿١٠٥﴾ يَوۡمَ تَبۡيَضُّ وُجُوهٞ وَتَسۡوَدُّ وُجُوهٞۚ فَأَمَّا ٱلَّذِينَ ٱسۡوَدَّتۡ وُجُوهُهُمۡ أَكَفَرۡتُم بَعۡدَ إِيمَٰنِكُمۡ فَذُوقُواْ ٱلۡعَذَابَ بِمَا كُنتُمۡ تَكۡفُرُونَ ﴿١٠٦﴾ وَأَمَّا ٱلَّذِينَ ٱبۡيَضَّتۡ وُجُوهُهُمۡ فَفِي رَحۡمَةِ ٱللَّهِۖ هُمۡ فِيهَا خَٰلِدُونَ ﴿١٠٧﴾

(۱۰۴)۔ اور چاہیئے کہ تمھی سے ایک ایسی اُمت (بن چکی) ہو جو بھلائی کی طرف بلائے، معروف کا حکم دے اور منکر کی راہ روکے اور یہی ہیں جو کامران ہیں۔(۱۰۵) اور اُن کی طرح نہ بنو جو آپس میں اُس کے بعد علیٰحدہ علیٰحدہ ہو گئے اور اختلاف میں پڑ گئے جب اُن کے پاس کھلی کھلی نشانیاں آگئیں۔ اور اُن کے لئے بڑا عظیم عذاب ہے۔(۱۰۶) اُس دن جب بعض چہرے روشن ہوں گے اور بعض چہرے تاریک پڑ جائیں گے تو وہ جن کے چہرے سیاہ ہوں گے (اُنہیں کہا جائے گا) کیا تم ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئے؟ تو اب یہ عذاب اِس لئے چکھو کہ تم کافر ہو گئے تھے۔(۱۰۷) مگر وہ جن کے چہرے روشن ہوں گے وہ اللہ کی رحمت میں ہوں گے، ہمیشہ اُس میں رہیں گے۔

---

(۱۰۴)۔ تو اب جبکہ دین تمہاری وحدت کا ضامن ہے اور دین سے انحراف کے نتیجے میں بُرے انجام، شدید اختلاف اور داخلی لڑائیوں میں پڑنے کا خطرہ ہے اور تمہاری بستی آگ کی کھائی میں بدل سکتی ہے تو چاہیے کہ تم سب مل کر ایک ایسا گروہ بن جاؤ جس کا کام ہی خیر کی طرف دعوت دینا، معروف اور بھلے کاموں کی ترغیب اور منکر اور کراہت انگیز کاموں سے روکنا ہو۔ فلاح اور کامیابی ایسے ہی گروہ کے حصے میں آئے گی۔

اِس بات کا خیال رکھیں کہ یہاں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں نہ کہ انتقاد (عیب سمجھنا، کریہہ جاننا، نقد کرنا) اور اعتراض کے الفاظ۔ لہٰذا یہ صرف انتقاد اور اعتراض نہیں ہے بلکہ یہ عملاً ناجائز کی روک تھام اور حق کی راہ پر لانے کے معنوں میں ہے۔ یہ مجرد انتقاد اور اعتراض سے کافی مختلف شے ہے؛ اِس سے مراد ظالم اور مفسد کو ہاتھ سے پکڑنا ہے، ظلم وفساد کی راہ روکنی ہے اور حق پرستوں کی مدد کرنا اور ساتھ دینا ہے۔

معروف کا لغوی معنٰی "پہچانا ہوا" ہے، یعنی وہ کچھ جسے سلیم الفطرت انسان اچھا سمجھے، اُسے دیکھ کر اپنائیت کا احساس کرے، جانا پہچانا لگے اور اُسے اپنی فطرت کے مطابق اور مناسب خیال کرے۔ دین کے تمام احکام ایسے ہی ہیں اور منکر کا لغوی معنٰی برا یا کراہت انگیز ہے یعنی وہ کچھ جسے ایک سلیم الفطرت انسان قابلِ نفرت سمجھے، اُسے برا لگے اور اُسے اپنے فطری تقاضوں کے برعکس جانے۔ دین کے تمام منہیات ایسے ہی ہیں۔

اس آیت میں (منكم امة) سے مراد ساری اُمت ہے نہ کہ امت کا ایک حصہ یا ایک گروہ؛ یہ اُمت کے فرد فرد کی ذمہ داری ہے۔ بعد والی آیت میں بھی ساری اُمت مخاطب ہے اور آیت ۱۱۰ میں بھی کہا گیا ہے کہ تم سب منتخب اُمت ہو کہ معروف کا حکم دیتے ہو اور منکر سے روکتے ہو۔ اِن دونوں آیات سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ (ولتكن منكم امة) سے مراد تمام اُمت ہے اور اِس بارے میں احادیث میں وارد سخت تاکید سے بھی یہی بات ظاہر ہوتی ہے:

عن ابي هريرة قال: قال رسول الله صلى الله عليه و سلم '' من رأي منكم منكرا فليغيره بيده فإن لم يستطع فبلسانه فإن لم يستطع فبقلبه و ذلک أضعف الإيمان'' وفي رواية ''و ليس وراء ذلک من الإيمان حبة خردل''

ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے جس کسی نے منکر دیکھا تو اپنے ہاتھ سے اُسے بدل ڈالے، اگر اِس کی طاقت نہیں رکھتا تو اپنی زبان کے ساتھ اور اگر اِس کی طاقت نہیں رکھتا تو اپنے دل سے اور یہ سب سے ضعیف ایمان ہے۔ دوسری روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ اِس کے بعد رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان نہیں۔

عن حذيفه بن اليمان أن النبى صلى الله عليه و سلم قال ''والذى نفسى بيده لتامرن بالمعروف و لتنهون عن المنكر أو ليوشكن الله أن يبعث عليكم عقابا من عنده ثم لتدعنه فلا يستجيب لكم'' رواه الترمذي و ابن ماجه

حذیفہ بن الیمان سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم یا تو ضرور معروف کا حکم دوگے اور منکر کی روک تھام کروگے اور یا اللہ اپنی طرف سے ایسا عذاب تم پر بھیج دے گا کہ پھر تم دعا مانگو گے مگر وہ قبول نہیں کرے گا۔

(۱۰۵۔۱۰۷)۔ اِس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ذمہ داری میں تساہل اور غفلت آپس کے اختلاف پر منتج ہوتی ہے۔ اگر مسلمانوں نے یہ ذمہ داری پوری نہ کی، ظالم کا ہاتھ نہ پکڑا، فساد کا مقابلہ نہ کیا، بدکاروں اور مفسدوں کی راہ نہ روکی اور نیکوکار اور صالحین کے شانہ بشانہ کھڑے نہ ہوئے، حق پرستوں کا ساتھ نہ دیا، بھلائیوں کی نشوونما میں اپنا وقت اور صلاحیتیں نہ کھپائیں تو لوگوں میں پائی جانی والی وحدت اور یگانگت درمیان سے اُٹھ جائے گی۔ معاشرے میں تفرقہ پڑے گا،

لوگوں میں شدید اختلافات اُبھر آئیں گے اور سب کو اللہ کا عذاب گھیر لے گا جبکہ قیامت کے دن تو یہ حال ہو گا کہ بعض چہرے روشن ہوں گے اور بعض سیاہ۔ سیاہی اُن چہروں پر چھائی ہو گی جو یا تو خود گناہوں میں آلودہ رہے ہوں گے اور یا گناہ گاروں کا ساتھ دیا ہو گا اور اُن کے گناہوں سے کراہت کا احساس نہیں کیا ہو گا نہ ہی اُن کا راستہ روکا ہو گا۔ اُنہیں کہا جائے گا: کیا ایمان لانے کے بعد کافر ہوئے ہو؟ تو چکھو یہ عذاب اِس لئے کہ تم کافر ہو گئے تھے۔

مگر وہ جن کے چہرے روشن ہوں گے، گناہ سے مجتنب رہے ہوں گے، نیکوکار اور صالح لوگوں کا ساتھ دیا ہو گا، مفسدین اور بدکاروں سے دور رہے ہوں گے اور اُن کے راستے کی رکاوٹ بنے ہوں گے تو وہ ہمیشہ اللہ کی رحمت میں رہیں گے۔

تِلْكَ ءَايَـٰتُ ٱللَّهِ نَتْلُوهَا عَلَيْكَ بِٱلْحَقِّ ۗ وَمَا ٱللَّهُ يُرِيدُ ظُلْمًا لِّلْعَـٰلَمِينَ ﴿١٠٨﴾ وَلِلَّهِ مَا فِى ٱلسَّمَـٰوَٰتِ وَمَا فِى ٱلْأَرْضِ ۚ وَإِلَى ٱللَّهِ تُرْجَعُ ٱلْأُمُورُ ﴿١٠٩﴾

(۱۰۸)۔ یہ اللہ کی آیات ہیں جو برحق تم پر پڑھی جا رہی ہیں اور اللہ دنیا والوں پر ظلم کا ارادہ نہیں رکھتا۔ (۱۰۹)۔ اور جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے سب اللہ کا ہے اور سارے امور اللہ کی طرف پلٹائے جاتے ہیں۔

(۱۰۸۔۱۰۹)۔ ماقبل کی آیات کے بارے میں کہا گیا ہے کہ یہ الٰہی آیات ہیں اور ایسے ہی ہو گا۔ اگر دعوت کا سلسلہ قطع ہوا، مفسدوں اور ظالموں کی راہ نہ روکی گئی تو آپس کے شدید اختلافات کا انتظار کریں اور اللہ کے عظیم عذاب کا بھی اِس لئے کہ یہی اللہ کے عدل کا تقاضا ہے۔ اس کے بعد داعیوں کو تسلی دی گئی ہے کہ مطمئن رہو، یقین رکھو کہ زمین و آسمان کا سب کچھ اللہ کا ہے، تمام اُمور اُس کے اختیار میں ہیں، کسی بھی کام پر نتائج اُسی کی طرف سے مترتب ہوتے ہیں۔ اِس بات کی قطعاً پرواہ نہ کرو کہ کوئی تم سے کچھ کم کر پائے گا یا تمہاری دعوت بے ثمر رہ جائے گی اور اپنی جدوجہد کے نتائج حاصل نہ کر سکو گے۔

كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِٱلْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ ٱلْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِٱللَّهِ ۗ وَلَوْ ءَامَنَ أَهْلُ ٱلْكِتَـٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُم ۚ مِّنْهُمُ ٱلْمُؤْمِنُونَ وَأَكْثَرُهُمُ ٱلْفَـٰسِقُونَ ﴿١١٠﴾

(۱۱۰)۔ تم لوگوں کے لئے مبعوث کی گئی وہ سب سے بہتر اُمت ہو جو معروف کی ترغیب دیتی ہے اور منکر کی راہ روکتی ہے اور اللہ پر ایمان رکھتی ہے۔ اور اگر اہلِ کتاب ایمان لے آتے تو اُن کے لئے بہتر تھا، اُن میں سے بعض مومن ہیں مگر اکثر فاسق ہیں۔

(۱۱۰)۔ فرمایا جارہا ہے کہ تمہارے اِس انتخاب کے کچھ اسباب ہیں: امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور اللہ پر ایمان، اگر یہ انفرادیت اور خصوصیت کھو بیٹھو گے تو اِس اعلیٰ اور بلند مقام سے گر جاؤ گے، دوسروں پر تمہیں کوئی امتیاز باقی نہیں رہے گا اور تم بھی اِنہی اہلِ کتاب کی طرح ہو جاؤ گے۔ اہلِ کتاب کس طرح تھے؟ اُن میں صاحبِ ایمان تھوڑے تھے اور اکثریت فاسقین کی تھی۔ اُن میں سے جو اہلِ ایمان تھے وہ فاسقین کا راستہ نہ روک سکے اِسی وجہ سے اُس مقام سے اُتار دیئے گئے اور اب یہ ذمہ داری تمہیں سونپی گئی۔ اگر تم بھی اُن کی طرح ویسے ہی دو گروہوں میں بٹ جاؤ، تمہاری اکثریت فاسق ہو جائے اور مومنین اور صالحین کی محدود تعداد جو باقی ہو گی وہ اُن فاسقین کی راہ نہیں روکے گی تو تمہارا انجام بھی اُن ہی کی طرح ہو جائے گا۔

لَن يَضُرُّوكُمۡ إِلَّآ أَذًىۖ وَإِن يُقَـٰتِلُوكُمۡ يُوَلُّوكُمُ ٱلۡأَدۡبَارَ ثُمَّ لَا يُنصَرُونَ ﴿١١١﴾ ضُرِبَتۡ عَلَيۡهِمُ ٱلذِّلَّةُ أَيۡنَ مَا ثُقِفُوٓاْ إِلَّا بِحَبۡلٍ مِّنَ ٱللَّهِ وَحَبۡلٍ مِّنَ ٱلنَّاسِ وَبَآءُو بِغَضَبٍ مِّنَ ٱللَّهِ وَضُرِبَتۡ عَلَيۡهِمُ ٱلۡمَسۡكَنَةُۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمۡ كَانُواْ يَكۡفُرُونَ بِـَٔايَـٰتِ ٱللَّهِ وَيَقۡتُلُونَ ٱلۡأَنۢبِيَآءَ بِغَيۡرِ حَقٍّۚ ذَٰلِكَ بِمَا عَصَواْ وَّكَانُواْ يَعۡتَدُونَ ﴿١١٢﴾

(۱۱۱)۔ تنگ کرنے (ذہنی اذیت) کے علاوہ یہ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچاسکتے اور اگر تم سے جنگ کریں گے تو پیٹھ دکھائیں گے اور پھر ان کی کوئی مدد نہیں کی جائے گی۔ (۱۱۲) جہاں کہیں پائے جائیں، ذلت اِن پر تھوپ دی گئی ہے مگر یہ کہ اللہ کی یا لوگوں کی کسی رسی کا سہارا میسر آجائے۔ یہ اللہ کے غضب میں مبتلا ہوئے اور پست ہمتی ان پر تھوپ دی گئی۔ اِس وجہ سے کہ الٰہی آیات کا انکار کرتے تھے اور ناحق اللہ کے پیغمبروں کو قتل کرتے تھے اور یہ کہ اِنہوں نے روگردانی کی اور حد سے گزر گئے۔

(۱۱۱)۔ یہ اور کچھ نہیں کرسکتے صرف اپنی زبان درازی سے تمہیں اذیت پہنچائیں گے لیکن اگر تمہارے ساتھ لڑنے نکل پڑے تو بہت جلد شکست کھا کر میدان چھوڑ دیں گے اور روئے زمین پر ایسی کوئی طاقت ڈھونڈ نہیں پائیں گے جو اِن کی مدد کرسکے اور رسوائی اور شکست سے اِن کو بچاسکے۔

(۱۱۲)۔ یہ ہمیشہ اور ہر جگہ ذلیل ہوں گے مگر یہ کہ کبھی اللہ کی پناہ میسر آجائے اور یا لوگوں کی پناہ لے لیں۔ ہو سکتا ہے کہ کبھی لوگوں کی پناہ اور حمایت کی بدولت وقتی طور پر ذلت سے بچا لئے جائیں مگر ہمیشہ اللہ کے غضب میں مبتلا ہوں گے اور مسکنت (پست ہمتی) کے آثار اِن کے چہروں پر دور سے نظر آئیں گے۔ اِس کے اسباب درج ذیل ہیں:

- اللہ کی آیات سے انکار۔
- پیغمبروں کی مخالفت۔
- عصیان اور روگردانی۔
- تعدی اور حدود پھلانگنا۔

اور درحقیقت یہ عصیان اور تعدی ہی ہے جو انسان کو اُس مرحلے تک لے جاتی ہے کہ اللہ کی آیات کا انکار کرنے لگتا ہے اور پیغمبروں کی دشمنی اور مخالفت پر کمربستہ ہو جاتا ہے۔

۞ لَيْسُواْ سَوَآءً ۗ مِّنْ أَهْلِ ٱلْكِتَـٰبِ أُمَّةٌ قَآئِمَةٌ يَتْلُونَ ءَايَـٰتِ ٱللَّهِ ءَانَآءَ ٱلَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُونَ ﴿١١٣﴾ يُؤْمِنُونَ بِٱللَّهِ وَٱلْيَوْمِ ٱلْـَٔاخِرِ وَيَأْمُرُونَ بِٱلْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ ٱلْمُنكَرِ وَيُسَـٰرِعُونَ فِى ٱلْخَيْرَٰتِ وَأُوْلَـٰٓئِكَ مِنَ ٱلصَّـٰلِحِينَ ﴿١١٤﴾ وَمَا يَفْعَلُواْ مِنْ خَيْرٍ فَلَن يُكْفَرُوهُ ۗ وَٱللَّهُ عَلِيمٌۢ بِٱلْمُتَّقِينَ ﴿١١٥﴾

(۱۱۳)۔ یہ سب آپس میں برابر نہیں ہیں۔ اہلِ کتاب کا ایک گروہ ایسا (بھی) ہے جو (حق پر) قائم ہے، رات کے لمحات میں اللہ کی آیات پڑھتا ہے، اِس حال میں کہ سجدے ادا کرتا ہے۔ (۱۱۴) اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے، معروف کا حکم دیتا ہے اور منکر کی روک تھام کرتا ہے، اور نیکیوں کی طرف لپکتا ہے اور یہ صالحین کے گروہ میں سے ہیں۔ (۱۱۵) اور بھلائی کا جو بھی کام یہ کرتے ہیں اُس کی ناقدری نہیں کی جائے گی اور اللہ اِن متقیوں کو خوب جانتا ہے۔

(۱۱۳۔۱۱۵)۔ تمام اہلِ کتاب ایسے نہیں ہیں جیسے پہلے اشارہ کیا گیا ہے۔ اِن میں سے ایک گروہ ایسا بھی ہے جو اپنے دین پر قائم ہے، صدقِ دل سے اللہ کی عبادت میں لگا ہوا ہے، رات گئے اللہ کے حضور سجدے بجالاتا اور اُس کی کتاب کی آیات پڑھتا ہے۔

اللہ تعالیٰ اور یومِ آخرت پر صدقِ دل سے ایمان رکھتا، معروف کا حکم دیتا اور منکر سے روکتا ہے۔ صالح ہے اور نیکیوں میں جلدی کرتا ہے (سرگرمی دکھاتا ہے)۔ اللہ کے ہاں اِن متقیوں کے نیک اعمال محفوظ رکھے گئے ہیں۔

واضح رہے کہ یہاں کہا گیا ہے: : يَتْلُونَ ءَايٰتِ اللهِ ءَانَاءَ الَّيْلِ وَ هُمْ يَسْجُدُونَ: اللہ کی آیات رات کے اوقات میں پڑھتے ہیں، اِس حال میں کہ سجدے ادا کرتے ہیں۔ اِس کا معنٰی یہ نہیں ہے کہ سجدے کی حالت میں آیات پڑھتے ہیں، اِس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدے کی حالت میں آیات پڑھنے سے منع کیا ہوا ہے۔ آیات صرف حالتِ قیام میں پڑھی جاتی ہیں۔ هم يسجدون سے مراد یہ ہے کہ حالتِ نماز میں آیات پڑھتے ہیں۔

إِنَّ ٱلَّذِينَ كَفَرُواْ لَن تُغۡنِيَ عَنۡهُمۡ أَمۡوَٰلُهُمۡ وَلَآ أَوۡلَٰدُهُم مِّنَ ٱللَّهِ شَيۡـًٔاۖ وَأُوْلَٰٓئِكَ أَصۡحَٰبُ ٱلنَّارِۚ هُمۡ فِيهَا خَٰلِدُونَ ﴿١١٦﴾ مَثَلُ مَا يُنفِقُونَ فِي هَٰذِهِ ٱلۡحَيَوٰةِ ٱلدُّنۡيَا كَمَثَلِ رِيحٖ فِيهَا صِرٌّ أَصَابَتۡ حَرۡثَ قَوۡمٖ ظَلَمُوٓاْ أَنفُسَهُمۡ فَأَهۡلَكَتۡهُۚ وَمَا ظَلَمَهُمُ ٱللَّهُ وَلَٰكِنۡ أَنفُسَهُمۡ يَظۡلِمُونَ ﴿١١٧﴾

(۱۱۶)۔ بے شک وہ لوگ جو کافر ہوئے ہیں کبھی بھی نہ تو اُن کا مال اللہ کی کوئی چیز (گرفت) اُن سے دفع کر سکے گا اور نہ ہی اولاد۔ اور یہ دوزخی ہیں، اُس میں ہمیشہ رہنے والے۔ (۱۱۷) اور وہ اِس دنیوی زندگی میں جو کچھ خرچ کرتے ہیں اُس کی مثال اُس ہوا کی طرح ہے جس میں (سخت سردی) پالا ہو اور اُن لوگوں کی کھیتی مار جائے جنہوں نے خود اپنے اوپر ظلم کیا ہو اور اُسے تباہ کر دے۔ اللہ نے اِن پر ظلم نہیں کیا بلکہ یہ خود اپنے جانوں پر ظلم کرتے تھے۔

(۱۱۶۔۱۱۷)۔ کافروں کو نہ اُن کا مال و اولاد کوئی نفع پہنچا سکتی ہے اور نہ ہی اُن کا انفاق۔ نہ ہی دنیا میں اور نہ آخرت میں۔ اِن کا انفاق اُس کھیتی کی مانند ہے جسے اچانک تیز آندھی گھیر لے اور برباد کر دے۔ اِسی طرح اِن کا کفر برباد کرنے والی آندھی ہے اِن کی کھیتی اور فصل کو برباد کر کے رکھ دیتی ہے۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ لَا تَتَّخِذُواْ بِطَانَةً مِّن دُونِكُمۡ لَا يَأۡلُونَكُمۡ خَبَالٗا وَدُّواْ مَا عَنِتُّمۡ قَدۡ بَدَتِ ٱلۡبَغۡضَآءُ مِنۡ أَفۡوَٰهِهِمۡ وَمَا تُخۡفِي صُدُورُهُمۡ أَكۡبَرُۚ قَدۡ بَيَّنَّا لَكُمُ ٱلۡأٓيَٰتِۖ إِن كُنتُمۡ تَعۡقِلُونَ ﴿١١٨﴾

(۱۱۸)۔ اے ایمان والو! اپنے مومن ساتھیوں کے علاوہ دوسروں کو اپناراز دار نہ بناؤ، یہ تمہاری کسی تکلیف کا مداوا نہیں چاہتے بلکہ اُس چیز کے خواہاں ہیں جو تمہیں تکلیف دیتی ہے، اِن کا کچھ بُغض تو اِن کی باتوں سے ٹپکا پڑتا ہے مگر جو اِن کے سینوں نے چھپا کررکھا ہوا ہے وہ اُس سے کہیں بڑھ کر ہے۔ بے شک ہم نے تو تمہیں آیات بیان کردیں اگر تعقل کرسکتے ہو۔

(۱۱۸)۔ مومن اِس بات سے منع کئے گئے ہیں کہ غیر مومنوں کو اپنا محرمِ راز بنائیں، یا کوئی ایسی ذمہ داری اُنہیں دے دیں جو اُن کے اوپر مومنوں کے راز کھولنا آسان بنادے۔ بطانۃ دراصل کپڑے کے اندر لگے استر کو کہتے ہیں اور یہاں اِس سے مراد قریبی دوست اور رازدار ہے۔ مومنوں کو حکم دیا گیا ہے کہ مومنوں کے علاوہ کسی کو اپنے اتنا قریب نہ کریں کہ وہ مسلمانوں کے اسرار جان سکیں۔ دشمن کے ساتھ دوستی کا کم از کم یہ نقصان تو ہوتا ہی ہے کہ تمہارے راز جاننے کا موقع اُس کے ہاتھ لگ جاتا ہے اِس لئے کہا گیا ہے کہ اِن کو اپنے قریب نہ کریں اور اِن کے ساتھ دوستی نہ کریں یہ تمہیں کوئی نقصان پہنچانے میں تامل نہیں کریں گے اِن کی تو کوشش اور خواہش ہی یہی ہوتی ہے کہ تم تکلیف اور دشواری میں پڑجاؤ۔ دشمنی اور عداوت کی جو باتیں تم اِن کی زبانوں سے سنتے ہو اُن سے کہیں بڑھ کر بغض اور عداوت اِنہوں نے اپنے دلوں میں چھپا رکھی ہے۔ اِن کے ساتھ دوستی نہ کرنا اللہ کی رہنمائیوں کا بھی تقاضا ہے اور عقل کا بھی۔

هَٰٓأَنتُمْ أُوْلَآءِ تُحِبُّونَهُمْ وَلَا يُحِبُّونَكُمْ وَتُؤْمِنُونَ بِٱلْكِتَٰبِ كُلِّهِۦ وَإِذَا لَقُوكُمْ قَالُوٓاْ ءَامَنَّا وَإِذَا خَلَوْاْ عَضُّواْ عَلَيْكُمُ ٱلْأَنَامِلَ مِنَ ٱلْغَيْظِ ۚ قُلْ مُوتُواْ بِغَيْظِكُمْ ۗ إِنَّ ٱللَّهَ عَلِيمٌۢ بِذَاتِ ٱلصُّدُورِ ﴿١١٩﴾

(۱۱۹)۔ تم اِن سے محبت رکھتے ہو مگر اِن کو تم اچھے نہیں لگتے حالانکہ تم تمام کتبِ آسمانی پر ایمان رکھتے ہو اور یہ جب تمہیں ملتے ہیں تو کہتے ہیں: ہم ایمان لائے ہوئے ہیں۔ مگر جب تنہائی میں ہوتے ہیں تو تم پر اپنے غیظ وغضب کی وجہ سے اپنی اُنگلیاں کاٹتے ہیں، اِنہیں کہو: (جل) مرو اپنے غصے میں۔ بے شک اللہ سینے کے مدفون خوب جانتا ہے۔

(۱۱۹)۔ تم اِن کے ساتھ محبت رکھتے ہو مگر یہ تم سے محبت نہیں رکھتے۔ تم اِنہیں دوست سمجھتے ہو مگر یہ تمہیں دوست نہیں سمجھتے۔ تمہارا خیال ہے کہ یہ مشرکین سے بہتر ہیں، ہمارے زیادہ قریب ہیں مگر وہ تمہارے بارے میں یہ رائے نہیں رکھتے اور تمہیں مشرکین سے اچھا نہیں سمجھتے۔ اِن کے دل بغض سے لبریز ہیں گو کہ بظاہر اپنی دشمنی کا اظہار نہیں کرتے بلکہ اِس کے برعکس ایمان کا دعویٰ کرتے

ہوئے کہتے ہیں کہ ہم بھی اُن تمام چیزوں پر ایمان رکھتے ہیں جن پر تمہارا ایمان ہے مگر تنہائی میں بغض کے مارے دانتوں سے اپنی اُنگلیاں کاٹتے ہیں۔ اللہ خوب جانتا ہے کہ اِن کے سینوں میں تمہارے لئے کیسے بُرے عزائم اور کتنا بغض بھرا ہوا ہے۔

إِن تَمۡسَسۡكُمۡ حَسَنَةٞ تَسُؤۡهُمۡ وَإِن تُصِبۡكُمۡ سَيِّئَةٞ يَفۡرَحُواْ بِهَاۖ وَإِن تَصۡبِرُواْ وَتَتَّقُواْ لَا يَضُرُّكُمۡ كَيۡدُهُمۡ شَيۡـًٔاۗ إِنَّ ٱللَّهَ بِمَا يَعۡمَلُونَ مُحِيطٞ ﴿١٢٠﴾

(۱۲۰)۔اگر تمہیں کوئی بھلائی ملتی ہے تو اُنہیں دکھ ہوتا ہے اور اگر کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو یہ خوش ہوتے ہیں۔ اور اگر تم صبر سے کام لو اور بچ کر رہو تو اِن کی چالیں تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتیں۔ بے شک اللہ اِن کے اعمال کو گھیرے میں لئے ہوئے ہے۔

(۱۲۰)۔ اِس آیت کے ساتھ اِس سورت کا تیسرا حصہ شروع ہوتا ہے اِس میں تقویٰ (بچنے) کی ماہیت اور اہمیت بتائی گئی ہے۔ ابتداء اِس بات سے ہوتی ہے کہ اگر تمہارے اندر صبر اور تقویٰ کی صفتیں موجود ہیں تو دشمن کی کوئی چال اور مکر، کوئی تدبیر اور سازش تمہیں کوئی نقصان اور گزند نہیں پہنچا سکتی۔ تمہارے تقویٰ کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ دشمن کی تمام بھاگ دوڑ، چالیں اور سازشیں رائیگاں کر دے گا، فکر نہ کرو اللہ تعالیٰ اِن کے تمام اعمال کو گھیرے میں لئے ہوئے ہے۔ اِن کی کوئی چیز اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اور اقتدار سے باہر نہیں ہے، یہ اُس کے ارادے اور حکم کے آگے محکوم ہیں اور اللہ کی دی ہوئی توفیق سے بڑھ کر کوئی کام نہیں کر سکتے؛ ایسا قطعاً نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور فیصلوں کی حدود توڑ کر جو چاہیں انجام دے ڈالیں۔ یہ ایک بہت بڑی بات اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک عظیم وعدہ اور تسلی ہے جو مسلمانوں کو دی گئی ہے۔ اِس لئے اِس کے بعد اِس کے اثبات کے لئے تاریخ کے صفحات سے ایک انمٹ ثبوت اور عملی مثال پیش کی جاتی ہے مگر ایسے اسلوب کے ساتھ کہ اُس کے تناظر میں انتہائی اہم اور قیمتی رہنمائیاں بھی متقین کے سامنے رکھ دی جاتی ہیں۔

وَإِذۡ غَدَوۡتَ مِنۡ أَهۡلِكَ تُبَوِّئُ ٱلۡمُؤۡمِنِينَ مَقَٰعِدَ لِلۡقِتَالِۗ وَٱللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿١٢١﴾

(۱۲۱)۔ اور جب صبح منہ اندھیرے تم اپنے گھر سے نکل آئے اور جنگ کے لئے مسلمانوں کو جابجا (میدانِ جنگ میں) مامور کر رہے تھے اور اللہ خوب جاننے والا سننے والا ہے۔

(۱۲۱)۔ یہاں اُحد کی لڑائی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اِس جنگ میں پیغمبر علیہ السلام خود مجاہدین کی قیادت کر رہے تھے اور ہر ایک کو اُس کا مورچہ اور ذمہ داری تفویض کر رہے تھے۔ قریش تین ہزار کے لشکر کے ساتھ مدینہ منورہ پر حملے کے لئے پیش قدمی کر چکے تھے، بدر کی تاریخی شکست کا بدلہ لینے کا ارادہ کئے ہوئے تھے، بھرپور تیاری کے ساتھ حملہ آور؛اِس قدر تعداد اور وسائل کے ساتھ کہ مدینے کو فتح کرنے کے لئے کافی تھے۔ لشکر کے نکلتے ہی پیغمبر علیہ السلام کو اطلاع ملی، آپؐ نے اپنے ساتھیوں سے مشورہ کیا، بزرگ صحابہ میں سے اکثر کی رائے یہ تھی کہ مدینے میں رہتے ہوئے دفاعی حکمت عملی اختیار کی جائے۔ پیغمبر علیہ السلام کی اپنی رائے بھی یہی تھی، جنگی لحاظ سے بھی باہر نکلنے کے بجائے گاؤں کے اندر رہتے ہوئے لڑنا زیادہ بہتر لگ رہا تھا۔ قصبے کے اندر رہتے ہوئے لڑنا اِس لئے بھی بہتر تھا کہ دشمن کے لئے جگہ جگہ گلیوں کے اندر لڑنا مشکل تھا اور اِس لئے بھی کہ یوں قصبے کے ہر شخص کے لئے جنگ میں بھرپور حصہ لینا اُس کی لازمی ضرورت بن جاتی۔ ویسے بھی مسلمان ایک ہزار سے زیادہ جنگجو میدان میں نہیں اُتار سکتے تھے اور کھلے میدان میں مقابلہ کرنے کے لئے یہ تعداد دشمن کے مقابلے میں بہت ہی کم تھی۔ ہر مجاہد کو تین تین آدمیوں سے لڑنا پڑتا جبکہ مدینے میں رہتے ہوئے دفاع کرنے کی صورت میں یہ کمی پوری ہو جاتی؛ مگر مدینے کے جوان مجاہدین کا اصرار تھا کہ اُنہیں باہر نکل کر مقابلہ کرنا چاہیے۔ اُن کے اصرار سے متاثر ہو کر باہر میدان میں نکل کر دشمن کا مقابلہ کرنے کا فیصلہ کیا گیا لہٰذا پیغمبر علیہ السلام نے جمعے کے دن نماز میں ایک موثر خطبہ ارشاد فرمایا اور مسلمانوں کو دشمن کے مقابلے کی ترغیب دلائی۔ اگرچہ وہ جوان جنہوں نے پیغمبر علیہ السلام کی رائے کے مقابل اپنی رائے پر اصرار کیا تھا، اپنے اصرار پر نادم ہوئے اور دوبارہ حاضر ہو کر کہا کہ: یارسول اللہ ہم نے اپنی رائے سے رجوع کر لیا ہے، اگر آپؐ چاہیں تو یہ فیصلہ بدل ڈالیں۔ مگر پیغمبر علیہ السلام نے مناسب نہیں سمجھا کہ ایک مرتبہ اعلان کرنے کے بعد اب ایک ایسے وقت فیصلہ بدل ڈالیں کہ آپؐ نے خود بھی زرہ پہن رکھی تھی اور باقی لوگ بھی تیار اور کوچ کی حالت میں تھے۔

آپؐ تقریباً ایک ہزار کی نفری کے ساتھ مدینے سے اُحد کی طرف بڑھے۔ بیچ راستے ہی میں منافقین کا سردار عبداللہ بن ابی ابنِ سلول اپنے تین سو ساتھیوں کو لے کر مجاہدین سے علیٰحدہ ہوا اور مدینہ لوٹ آیا۔ اُس کی علیٰحدگی سے بعض مسلمان پریشان ہوئے، قریب تھا کہ مدینے کے دو اور قبیلے، بنو حارثہ اور بنو سلمہ بھی لوٹ جائیں مگر دوسرے مسلمانوں کے سمجھانے پر رک گئے۔ پیغمبر علیہ السلام نے اُحد کی پہاڑی کو اپنی پشت پر لے کر اُس کے دامن میں مجاہدین کی اپنی اپنی جگہ تعیناتی فرمائی۔ اِس انتظام کے دو فائدے تھے: ایک تو پشت دشمن کے اچانک حملے سے محفوظ ہو گئی اور دوسرا پیچھے ہٹنے کی صورت میں محفوظ پناہ گاہ میسر ہوتی۔ لازمی تنظیم اور ترتیب کے بعد آپؐ دشمن کے انتظار میں بیٹھ گئے اور تیر اندازوں کا ایک مضبوط دستہ عبداللہ بن جبیر کی سربراہی میں ایک ایسے ٹیلے پر تعینات کیا جہاں سے ایک ممکنہ غیر محفوظ راستے کی اچھی نگرانی کی جاسکتی تھی اور دشمن کے اُس طرف سے گھوم کر آنے کی صورت میں اُن کی ایسی کوشش ناکام بھی بنائی جاسکتی تھی۔ اِس دستے کو آپؐ نے تاکید کے ساتھ بتا دیا کہ اِس جگہ کو کسی صورت

نہیں چھوڑنا، نہ فتح کی صورت میں اور نہ شکست کی صورت میں۔ ابتداء میں اُس زمانے کے دستور کے مطابق طرفین سے ایک ایک کرکے جوان مقابلے پر نکلتے رہے جس کے دوران قریش کے بارہ تیرہ نامور جنگجو مارے گئے اور پھر لڑائی کے لئے اذنِ عام دے دیا گیا۔ قریش کی فوج نے تھوڑی ہی دیر ثابت قدمی دکھائی اور پھر شکست کھا کر اپنی لاشیں، زخمی، سامان اور دوسرے وسائل میدان میں چھوڑ کر مکے کی جانب بھاگ کھڑی ہوئی۔ بعض مجاہدین نے اُن کا تعاقب کیا مگر باقی غنائم اکٹھے کرنے میں مصروف ہو گئے۔ تیراندازوں کے جس گروہ کو پیغمبر علیہ السلام نے ٹیلے پر تعینات کیا تھا اُن میں سے بعض نے خیال کیا کہ دشمن بھاگ کھڑا ہوا ہے تو اب مزید یہاں رکنے کی شاید ضرورت ہی نہیں رہی لہٰذا نیچے اُتر کر میدان کی طرف چل پڑے۔ اُنہوں نے پیغمبر علیہ السلام کا وہ تاکیدی حکم بھی پس پشت ڈال دیا اور اپنے سالار عبداللہ بن جبیر کے بار بار منع کرنے پر بھی نہ رُکے۔ خالد بن ولید نے جو اُس وقت قریش کے سواروں کے دستے کی کمان کر رہا تھا، اِس موقع سے فائدہ اُٹھایا اور چکر کاٹ کر پہاڑی کے پیچھے سے آنکلا۔ ٹیلے پر موجود دس بارہ مجاہدین نے اُنہیں روکنے کی کوشش کی مگر تمام کے تمام نے جام شہادت نوش کیا۔ اِس اچانک حملے نے مسلمانوں کو ہکا بکا اور پراگندہ کر دیا، بھاگنے والے قریش بھی پلٹ پڑے اور مسلمان دو طرف سے حملے کی زد میں آ گئے۔ بہت سارے جنگجو شہید ہو گئے اور پیغمبر علیہ السلام زخمی ہوئے؛ آپؐ کے زخمی ہونے کے ساتھ ہی دشمن نے یہ افواہ بھی پھیلا دی کہ پیغمبر علیہ السلام شہید ہو گئے ہیں۔ اِس ہیبت ناک افواہ سے بہت سے مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے، بعض پہاڑ پر چڑھ گئے اور بعض نے مدینے کی طرف رخ کر لیا۔ یہ ایسا موقع تھا کہ دشمن جنگ جیت چکا تھا مدینے پر فیصلہ کن حملے کے لئے بہترین موقع اُس کے ہاتھ آ گیا تھا اور ہر شخص یہ گمان کر رہا تھا اور عقل کا تقاضا بھی یہی تھا کہ اب یہ لوگ مدینے پر حملہ کریں گے۔ مگر اِس کے برعکس انہوں نے حملہ روک لیا اور ایک ہلکے سے توقف کے بعد مکہ کی راہ اپنالی۔ یہ لڑائی ہجرت کے تیسرے سال شوال کے مہینے میں پیش آئی اور غزوہ اُحد کے نام سے مشہور ہوئی۔ آخری آیات میں اِس لڑائی کے بارے میں ایک جامع اور ہمہ جہت بحث کی گئی ہے۔

إِذْ هَمَّت طَّآئِفَتَانِ مِنكُمْ أَن تَفْشَلَا وَٱللَّهُ وَلِيُّهُمَا ۗ وَعَلَى ٱللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ ٱلْمُؤْمِنُونَ ﴿١٢٢﴾

(۱۲۲)۔ اور جب تمہارے دو قبیلوں نے حوصلہ چھوڑ دینے کا ارادہ کیا، اِس حال میں کہ اللہ اُن کا ولی اور مددگار تھا اور مومنوں کو تو اللہ پر توکل کرنا چاہیے۔

(۱۲۲)۔ یہ وہی دو قبیلے بنو حارثہ اور بنو سلمہ ہیں جو قریب تھا کہ ابی بن سلول اور اُس کے ساتھیوں کے لوٹ جانے کے بعد پست ہمتی کا مظاہرہ کر لیتے اور لڑائی سے منہ پھیر لیتے۔ اِن کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اِن کے لئے یہ بے ہمتی قطعی مناسب نہیں تھی مومنوں کو تو یہ زیب دیتا ہے کہ ہمیشہ اور ہر حالت میں اپنے خدا پر توکل اور بھروسہ رکھیں اور دشمن کے زور و شور سے بالکل خوفزدہ نہ ہوں۔

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ ٱللَّهُ بِبَدْرٍ وَأَنتُمْ أَذِلَّةٌ ۖ فَٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿١٢٣﴾ إِذْ تَقُولُ لِلْمُؤْمِنِينَ أَلَن يَكْفِيَكُمْ أَن يُمِدَّكُمْ رَبُّكُم بِثَلَـٰثَةِ ءَالَـٰفٍ مِّنَ ٱلْمَلَـٰٓئِكَةِ مُنزَلِينَ ﴿١٢٤﴾ بَلَىٰٓ ۚ إِن تَصْبِرُوا۟ وَتَتَّقُوا۟ وَيَأْتُوكُم مِّن فَوْرِهِمْ هَـٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُم بِخَمْسَةِ ءَالَـٰفٍ مِّنَ ٱلْمَلَـٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِينَ ﴿١٢٥﴾

(۱۲۳)۔ اور یقیناً اللہ نے تمہیں بدر میں اپنی نصرت اور فتح سے نوازا حالانکہ تم کمزور تھے، پس اللہ سے ڈرو، امید ہے کہ اب تم شکر گزار بنو گے۔ (۱۲۴) جب تم نے مومنوں کو کہا: کیا یہ تمہارے لئے کافی نہیں ہے کہ تمہارا رب تین ہزار بھیجے گئے فرشتوں سے تمہاری مدد کرے؟ (۱۲۵) ہاں اگر! تم صبر سے کام لو اور تقویٰ پر عمل پیرا ہوؤ اور یہ لوگ اسی زور و شور سے تم پر حملہ آور ہوں تو تمہارا رب پانچ ہزار نشان زدہ فرشتوں سے تمہاری مدد فرمائے گا۔

(۱۲۳۔۱۲۵)۔ اگر دشمن کی فوج تین ہزار ہو تو اللہ تمہاری مدد کے لئے تین ہزار فرشتے بھیجے گا، اگر پانچ ہزار ہو جائیں تو پانچ ہزار بھیج دے گا، اگر وہ زور و شور اور مستی کے ساتھ اچانک تم پر حملہ کر دیں تو اللہ بھی مخصوص نشانیاں لئے ہوئے انفرادی خصوصیات کے حامل فرشتے بھیج دے گا، یعنی تمہیں نہ تو اِن کی تعداد سے خوفزدہ ہونا چاہیے اور نہ ہی اِن کی ظاہری شان و شوکت سے۔

وَمَا جَعَلَهُ ٱللَّهُ إِلَّا بُشْرَىٰ لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوبُكُم بِهِۦ ۗ وَمَا ٱلنَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِندِ ٱللَّهِ ٱلْعَزِيزِ ٱلْحَكِيمِ ﴿١٢٦﴾

(۱۲۶)۔ اور اللہ نے نہیں بتائی یہ بات، مگر تمہارے لئے ایک خوشخبری کے طور پر اور اِس غرض کے لئے کہ اِس سے تمہارے دل مطمئن ہوں، نہیں تو کامیابی تو باحکمت عزیز خدا کے علاوہ کسی اور کی طرف سے یوں بھی نہیں ہوتی۔

(۱۲۶)۔ فرشتے بھیجنے کا یہ وعدہ تو صرف ایک بشارت ہے اور تمہارے دلوں کو مطمئن کرنے اور جمانے کا ایک ذریعہ ہے ورنہ فتح اور کامرانی کے لئے تو اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہی کافی ہے؛ فرشتے بھیجے بغیر بھی تمہیں فتح دلا سکتا ہے۔ اللہ عزتمند اور غالب بھی ہے اور باحکمت بھی؛ وہ دشمن کو شکست دینا اور تمہیں غالب کرنا خوب جانتا ہے اور اِس پر قادر ہے کہ دشمن کے وسائل سے لیس فوج کو شکست دے اور تمہیں باوجود تمہاری کمزوری اور ناتوانی کے غالب کر دے۔

لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ ٱلَّذِينَ كَفَرُوٓا۟ أَوْ يَكْبِتَهُمْ فَيَنقَلِبُوا۟ خَآئِبِينَ ﴿١٢٧﴾

(۱۲۷)۔ تاکہ کافروں کا ایک گروہ (بازو) کاٹ ڈالے یا اُنہیں اوندھا کر دے تو نامراد واپس لوٹ جائیں۔

(۱۲۷)۔ اللہ تعالیٰ کا ارادہ یہ تھا کہ اِس لڑائی میں کفر کی قوتوں کا ایک مضبوط بازو توڑ دے، اُنہیں حقیر اور ذلیل کر دے اور خاسر و نامراد ہو کر لوٹ جانے پر مجبور کر دے۔ بدر میں اللہ کا یہ وعدہ پورا ہوا، قریش کی وہ جنگی مشینری جس کے بل پر تمام عرب پر اُن کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی، ایک بہت بڑی شکست سے دوچار ہوئی۔ اُن کے متعدد نامور سردار اور مغرور جنگجو مارے گئے اور وہ گردن جھکا کر نامراد بدر کے میدان سے پلٹ گئے۔

لَيْسَ لَكَ مِنَ ٱلْأَمْرِ شَىْءٌ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ أَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَإِنَّهُمْ ظَـٰلِمُونَ ﴿١٢٨﴾

(۱۲۸)۔ اِس کام میں تمہارا کوئی اختیار نہیں، (اللہ کو اختیار ہے کہ) یا تو اُن کی توبہ قبول کر لے یا اِس لئے عذاب دے دے کہ وہ ظالم ہیں۔

(۱۲۸)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا جا رہا ہے کہ آپؐ کو اِن معاملات میں کوئی اختیار حاصل نہیں ہے، اِس کا انحصار سراسر اللہ تعالیٰ پر ہے کہ کس کی توبہ قبول کرتا ہے اور کسے سزا دیتا ہے۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ کا کام ہے نہ تم پر منحصر ہے اور نہ ہی کسی اور پر؛ اب جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ حکم ہے تو دوسرے عام انسانوں کے بارے میں کیا حکم ہوگا؟ دوسروں کے ساتھ اِس عالم کے امور کس طرح وابستہ ہو سکتے ہیں؟؟

قرآنِ کریم ربوبیت میں شرک کی نفی اور تردید کے بارے میں اِس قاطع دلیل اور حجت سے استدلال کرتا ہے کہ اگر زمین و آسمان میں اللہ کے علاوہ دوسرے خدا ہوتے تو حتماً زمین و آسمان کے تمام کام پراگندہ اور سب کچھ تباہ ہو جاتا۔ اِس لئے

کہ اُس صورت میں ہر خدا اپنی مرضی کے مطابق اِس عالم کا نظم و نسق چلاتا، آراء کا اختلاف، اجراء اور تصرفات میں ارادوں کا تعدد لازماً ٹکراؤ اور تصادم پر منتج ہوتا اور یہ کائنات میں بہت بڑی تباہی کا سبب بنتا۔ کائنات اور اِس ہستی پر حاکم یہ نظم و نسق اِس بات پر دلالت کرتا ہے کہ مخلوقات کے امور کا اختیار صرف ایک واحد اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

لَوْ كَانَ فِيهِمَآ ءَالِهَةٌ إِلَّا ٱللَّهُ لَفَسَدَتَا ۚ فَسُبْحَـٰنَ ٱللَّهِ رَبِّ ٱلْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُونَ ﴿٢٢﴾ الانبياء ٢٢

اگر زمین و آسمان میں اللہ کے علاوہ دوسرے خدا ہوتے؛ تو دونوں (کے نظام) میں لازماً بگاڑ آتا، پس پاکی ہے عرش کے مالک اللہ کے لئے اُن باتوں سے جو یہ لوگ بنا رہے ہیں۔

بعض روایات میں آیا ہے کہ پیغمبر علیہ السلام نے جنگِ اُحد میں زخمی ہونے کے بعد فرمایا: « كَيْفَ يُفْلِحُ قَوْمٌ فَعَلُوا هَذَا بِنَبِيِّهِمْ وَهُوَ يَدْعُوهُمْ إِلَى اللَّهِ » رواه الترمذي: "وہ قوم کس طرح نجات پائے گی جو اپنے پیغمبر کے ساتھ ایسا سلوک کرتی ہے جبکہ وہ اُنہیں اللہ کی طرف بلا رہا ہو"۔ اللہ تعالیٰ نے اِس بات کے جواب میں کہا کہ بخشش اور عذاب کا فیصلہ میں کروں گا نہ کہ تم۔ وقت نے بتا دیا کہ متعدد ایسے لوگ جو اِس لڑائی میں کفر کے جھنڈے تلے لڑ رہے تھے؛ اللہ نے اُنہیں ہدایت بخشی اور اُنہیں ایمان لانے اور اللہ کی راہ میں بڑے بڑے کام انجام دینے کی توفیق بخشی۔

وَلِلَّهِ مَا فِي ٱلسَّمَـٰوَٰتِ وَمَا فِي ٱلْأَرْضِ ۚ يَغْفِرُ لِمَن يَشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَن يَشَآءُ ۚ وَٱللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١٢٩﴾

(۱۲۹)۔ اور جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے؛ تمام اللہ کا ہے، جسے چاہتا ہے بخش دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے عذاب دے دیتا ہے اور اللہ مہربان بخشنے والا ہے۔

---

(۱۲۹)۔ اللہ وہ مختارِ کل مالک ہے کہ زمین اور آسمان میں جو کچھ ہے اُسی کا ہے۔ نہ کوئی اُس کی حکمرانی میں اُس کا شریک ہے اور نہ مغفرت اور تعذیب کے فیصلے میں۔ وہ کس کی بخشش کرتا ہے اور کسے عذاب دیتا ہے؛ اِس کا فیصلہ وہ خود ہی اور کسی کی شراکت کے بغیر کرتا ہے۔ اگر یہ کام غفور اور رحیم خدا کے بغیر کسی اور کے ہاتھ میں ہوتا تو معلوم نہیں وہ کتنے قابلِ مغفرت لوگوں کو مہلت دیئے بغیر ہلاک کر دیتا۔

يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ لَا تَأۡكُلُواْ ٱلرِّبَوٰٓاْ أَضۡعَـٰفٗا مُّضَـٰعَفَةٗۖ وَٱتَّقُواْ ٱللَّهَ لَعَلَّكُمۡ تُفۡلِحُونَ ۝١٣٠ وَٱتَّقُواْ ٱلنَّارَ ٱلَّتِيٓ أُعِدَّتۡ لِلۡكَـٰفِرِينَ ۝١٣١

(۱۳۰)۔اے ایمان والو! سود مت کھاؤ کئی کئی گنا بڑھتا ہوا اور اللہ سے ڈرو تا کہ کامیاب ہو جاؤ۔(۱۳۱)۔اور اُس آگ سے بچو جو کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے۔

(۱۳۰۔۱۳۱)۔ یہاں اُحد کی لڑائی میں شکست کے اسباب و عوامل پر بحث ہو رہی ہے۔اِس حوالے سے سود کے بارے میں ہدایات سطحی نظر سے بے ربط لگتی ہیں مگر تھوڑا سا غور کرنے سے آپ جان سکتے ہیں کہ اِس شکست میں سود کھانے کا خاصا بڑا حصہ تھا۔ سود فتح مکہ کے بعد حرام ہوا، مدینہ میں سود رائج تھا، وہاں کے مالدار یہودی ہی اِس کا بازار گرم کئے ہوئے تھے تاہم کسی نہ کسی حد تک مسلمان بھی اِس میں شامل تھے۔ سود مال کی حرص سے جنم بھی لیتا ہے اور مال کی حرص بڑھاتا بھی ہے اور یہ مال کی وہ حرص ہی تھی جس نے اُحد کی فتح کو شکست میں بدل دیا۔ یہی مورچے چھوڑنے کا سبب بنا اور دشمن کا تعاقب جاری نہ رکھنے کا اصل عامل بھی مال کی حرص ہی تھا تو اِس لئے اِن کو کہا جا رہا ہے کہ سود کھانا چھوڑ دو۔ یہاں سود کا انجام ایسی آگ بتایا گیا ہے جو دراصل کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے۔اِس سے پتہ چلتا ہے کہ سود اللہ کے دین میں کتنا بڑا جرم ہے۔

وَأَطِيعُواْ ٱللَّهَ وَٱلرَّسُولَ لَعَلَّكُمۡ تُرۡحَمُونَ ۝١٣٢ ۞ وَسَارِعُوٓاْ إِلَىٰ مَغۡفِرَةٖ مِّن رَّبِّكُمۡ وَجَنَّةٍ عَرۡضُهَا ٱلسَّمَـٰوَٰتُ وَٱلۡأَرۡضُ أُعِدَّتۡ لِلۡمُتَّقِينَ ۝١٣٣ ٱلَّذِينَ يُنفِقُونَ فِي ٱلسَّرَّآءِ وَٱلضَّرَّآءِ وَٱلۡكَـٰظِمِينَ ٱلۡغَيۡظَ وَٱلۡعَافِينَ عَنِ ٱلنَّاسِۗ وَٱللَّهُ يُحِبُّ ٱلۡمُحۡسِنِينَ ۝١٣٤ وَٱلَّذِينَ إِذَا فَعَلُواْ فَـٰحِشَةً أَوۡ ظَلَمُوٓاْ أَنفُسَهُمۡ ذَكَرُواْ ٱللَّهَ فَٱسۡتَغۡفَرُواْ لِذُنُوبِهِمۡ وَمَن يَغۡفِرُ ٱلذُّنُوبَ إِلَّا ٱللَّهُ وَلَمۡ يُصِرُّواْ عَلَىٰ مَا فَعَلُواْ وَهُمۡ يَعۡلَمُونَ ۝١٣٥

(۱۳۲)۔ اور اللہ اور اُس کے پیغمبر کی اطاعت کرو، تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔(۱۳۳)اور آگے بڑھو اپنے رب کی مغفرت اور اُس جنت کی طرف جس کا عرض زمین اور آسمان ہیں؛ متقیوں کے لئے تیار کردہ۔(۱۳۴)وہ جو کشادگی اور تنگی میں انفاق کرتے ہیں اور غصے کو پینے والے اور لوگوں(کی لغزشوں)سے اعراض کرنے والے ہیں اور اللہ ایسے محسنین کو پسند کرتا ہے۔(۱۳۵)اور وہ جو کبھی کوئی فحش کام کریں یا اپنے اوپر کوئی ظلم کریں؛ تو اللہ کو یاد کرکے اپنے گناہوں کی معافی مانگتے ہیں، اور اللہ کے علاوہ اور کون ہے جو گناہ معاف کرسکتا ہے؟اور وہ دیدہ دانستہ اپنے کئے ہوئے گناہوں پر اصرار نہیں کرتے۔

(۱۳۲۔۱۳۵)۔ اگر تم چاہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور نوازشیں تمہارے شامل حال ہو جائیں تو اللہ اور اُس کے پیغمبر کی اطاعت کرو۔ غنیمتوں کے بجائے تمہیں اُن جنتوں کی طرف لپکنا چاہیے جن کا عرض تمام آسمان اور زمین ہوں گے۔ عرض سے مراد یا تو قیمت ہے اِس لئے کہ عربی میں عرض بیع کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے لیکن اگر اِسے چوڑائی کے معنوں میں لیا جائے تو پھر آیت کا ترجمہ یوں ہوگا کہ: وہ جنت جس کی چوڑائی زمین و آسمان ہوں گے۔ سورۂ الحدید کی آیت ۲۱ میں عرض چوڑائی کے معنوں میں استعمال ہوا ہے:سابِقُوا إِلى مَغفِرَةٍ مِنْ رَّبِّكُمْ وَ جَنَّةٍ عَرضها كَعَرْضِ السمَاءِ وَ الأَرْضِ ۔ —— اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہاں بھی چوڑائی مراد ہے نہ کہ قیمت۔

یہاں متقیوں کی چند صفات بیان کی گئی ہیں:

- کشادگی اور عسرت میں انفاق کرتے ہیں۔
- برداشت کا حوصلہ رکھتے ہیں اور لوگوں کی لغزشوں پر چشم پوشی کرتے ہیں۔
- اپنے مسلمان بھائی سے انتقام لینے کے بجائے اور اُس کی غلطی پر اُس کے ساتھ بالمثل سلوک کے بجائے برداشت اور درگزر سے کام لیتے ہیں۔
- اگر کبھی کوئی غلطی کر بیٹھتے ہیں، کسی دوسرے کو اپنے غلط کام سے نقصان پہنچا دیتے ہیں یا صرف اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھتے ہیں تو اپنے رب کو یاد کر لیتے ہیں اور اپنی غلطی کی معافی مانگتے ہیں۔
- جان بوجھ کر اپنے غلط کام پر نہ تو اصرار کرتے ہیں اور نہ ہی اُس روش کو جاری رکھتے ہیں۔

درج بالا صفات جن لوگوں میں پائی جاتی ہیں وہی (متقین) اور (محسنین) اللہ کے محبوب بندے ہیں۔ اگر آپ چاہیں کہ اولیاء اللہ اور اللہ تعالیٰ کے محبوب بندے پہچان لیں تو یہ اُن کی صفات ہیں۔ محرف مذاہب (اولیاء اللہ)، (متقیوں) اور

(محسنین) کے لئے دوسرے معیارات مقرر کر لیتے ہیں اور اِس سے مختلف لوگوں کو اِس سے مختلف انفرادیتوں کی بنیاد پر اللہ کے محبوب بندے سمجھتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ کے دین میں محبوب بندوں کی یہی صفات مذکور ہیں۔

أُوْلَٰٓئِكَ جَزَآؤُهُم مَّغۡفِرَةٞ مِّن رَّبِّهِمۡ وَجَنَّٰتٞ تَجۡرِي مِن تَحۡتِهَا ٱلۡأَنۡهَٰرُ خَٰلِدِينَ فِيهَاۚ وَنِعۡمَ أَجۡرُ ٱلۡعَٰمِلِينَ ﴿١٣٦﴾

(۱۳۶)۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کی جزا اپنے رب کی مغفرت اور وہ جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، اُن میں ہمیشہ رہنے والے، کیا ہی اچھا اجر ہے عمل کرنے والوں کا۔

---

(۱۳۶)۔ یہاں نہ صرف متقیوں کے بہترین اجر کا ذکر کیا گیا ہے کہ وہ اللہ کی مغفرت اور دائمی جنتیں ہوں گی جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی بلکہ اُن کی ایک دوسری خصوصیت بھی بیان کی گئی ہے اور وہ یہ کہ: یہ عمل کرنے والے لوگ ہیں۔ ناسمجھ لوگ اُس شخص کو اللہ کا ولی اور دوست سمجھتے ہیں جو عمل سے ہاتھ کھینچ لے، دنیا سے منہ موڑ لے، کسی کونے میں تنہا بیٹھ جائے اور ذکر و اذکار میں مشغول ہو جائے۔ مگر اللہ کے دین میں اللہ کے محبوب بندے وہ ہیں جن کے صفات اوپر بیان کی گئی ہیں۔

قَدۡ خَلَتۡ مِن قَبۡلِكُمۡ سُنَنٞ فَسِيرُواْ فِي ٱلۡأَرۡضِ فَٱنظُرُواْ كَيۡفَ كَانَ عَٰقِبَةُ ٱلۡمُكَذِّبِينَ ﴿١٣٧﴾

(۱۳۷)۔ اور تم سے پہلے بھی بہت سے سنن (سنت کے مظاہر) گزر چکے ہیں تو زمین میں چلو پھرو اور دیکھو کہ جھٹلانے والوں کی عاقبت اور انجام کیسا ہوا۔

---

(۱۳۷)۔ تم سے پہلے بہت سی ملتیں گزر چکی ہیں، جنہوں نے اپنے لئے زندگی گزارنے کا اپنا الگ طریقہ اختیار کیا ہوا تھا۔ ذرا تاریخ پر نظر ڈال کر دیکھ لو کہ اُن ملتوں کا انجام کیا ہوا جو اللہ کے دین اور پیغمبروں کی تکذیب پر کمربستہ ہو گئی تھیں؟ کتنی ملتیں ہیں جو اِسی جرم کی پاداش میں اللہ کے شدید عذاب سے دوچار ہوئی ہیں۔

هَـٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِينَ ﴿١٣٨﴾

(۱۳۸)۔ یہ لوگوں کے لئے بیان ہے اور متقیوں کے لئے رہنمائی اور نصیحت۔

(۱۳۸)۔ ھٰذا سے مراد یا تو یہی اوپر ذکر کی گئی بات ہے کہ اِس کے ذریعے لوگوں کے لئے ایک عظیم حقیقت اور اللہ کی ایک اٹل سنت بیان کی گئی ہے اور متقیوں کے لئے ایک رہنمائی اور نصیحت کی گئی ہے اور یا اِس سے مراد یہ قرآن ہے جس نے لوگوں کے لئے حقائق کھول کر بیان فرمائے ہیں مگر اِس کی رہنمائیوں اور پند و نصائح سے صرف متقی فائدہ اُٹھا سکتے ہیں۔ پہلے والی توجیہہ اس لئے بہتر لگتی ہے کہ اِس آیت سے پہلے یا بعد میں قرآن کا ذکر کہیں نہیں آیا۔

وَلَا تَهِنُوا۟ وَلَا تَحْزَنُوا۟ وَأَنتُمُ ٱلْأَعْلَوْنَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ﴿١٣٩﴾

(۱۳۹)۔ تو ہمت نہ ہارو (سست نہ پڑو) اور غم نہ کرو اگر تم مومن ہو تو تم ہی غالب ہو گے۔

(۱۳۹)۔ ہر جماعتی شکست اُن جنگجوؤں پر خاص اثرات ڈالتی ہے جو ہار چکے ہوتے ہیں۔ اُن کا ذوق و شوق ماند پڑ جاتا ہے، سستی چھا جاتی ہے، فکر اور اندیشوں میں ڈوب جاتے ہیں، دشمن کو اپنے آپ سے برتر سمجھنے لگ جاتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اُن کی بہتر صلاحیتوں نے اُن کو فتح سے ہمکنار کیا۔ اِنہی منفی اثرات سے محفوظ رہنے کے لئے اللہ تعالی نے چند نہایت قیمتی رہنمائیاں بطور خاص اُحد کے مجاہدین کے لئے اور عمومی طور پر تمام مجاہدین کے لئے فرمائی ہیں:

- حوصلہ ہار کر سست نہ پڑ جانا۔ ایک وقتی پسپائی تمہارا ذوق و شوق اور جذبہ کمزور نہ کرنے پائے، ایسا نہ ہو کہ اپنا جوش و جذبہ ہاتھ سے جانے دو اور مایوسیوں میں گھر جاؤ۔
- اپنے نقصانات کا رونا چھوڑ دو، فضول اور بے فائدہ اندیشے پرے پھینک دو اور حزن و غم کو موقع نہ دو کہ تمہارے ارادے اور عزم کو متزلزل کر سکیں۔
- حقارت کا کوئی احساس قریب بھی نہ پھٹکنے دو اور یہ گمان نہ کرو کہ دشمن کوئی مثبت پہلو یا ایسی بہتر صلاحیت رکھتا ہے جو اُس کی بالادستی کا سبب بنی۔ تمہاری فضیلت اور برتری کے لئے تمہارا ایمان اور عقیدہ ہی کافی ہے۔ دشمن کی وقتی کامیابی اور تمہاری عارضی ناکامی تمہاری برتری اور عظمت کا گہرا احساس کم نہ کرنے پائے۔

إِن يَمۡسَسۡكُمۡ قَرۡحٞ فَقَدۡ مَسَّ ٱلۡقَوۡمَ قَرۡحٞ مِّثۡلُهُۥۚ وَتِلۡكَ ٱلۡأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيۡنَ ٱلنَّاسِ وَلِيَعۡلَمَ ٱللَّهُ ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ وَيَتَّخِذَ مِنكُمۡ شُهَدَآءَۗ وَٱللَّهُ لَا يُحِبُّ ٱلظَّٰلِمِينَ ﴿١٤٠﴾ وَلِيُمَحِّصَ ٱللَّهُ ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ وَيَمۡحَقَ ٱلۡكَٰفِرِينَ ﴿١٤١﴾

(۱۴۰)۔ اگر تمہیں کوئی چوٹ لگی ہے تو دشمن قوم کو بھی تو ایسے ہی گھاؤ لگے ہیں اور یہ تو وہ ایام ہیں جن کی ہم لوگوں کے درمیان اُلٹ پھیر کرتے رہتے ہیں تا کہ اللہ اُن لوگوں کو متمیز کرے جو ایمان لائے ہیں اور تم میں سے بعض کو شہادت سے سر فراز کرے اور اللہ اِن ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔ (۱۴۱) اور یہ اِس لئے کہ مومنوں کو کندن بنائے اور کافروں کو نابود کر دے۔

(۱۴۰۔۱۴۱)۔ یہاں زخمی مجاہدین اور ناکامی سے دوچار فوج کو چند باتیں فرمائی گئی ہیں:

- اگر تم زخم خوردہ ہو تو دشمن کو بھی اِس لڑائی میں اور اِس سے قبل دوسری لڑائیوں میں زخم لگے ہیں۔ اگر وہ ناجائز اہداف اور کریہہ اغراض کے لئے یہ زخم قبول کرتے ہیں تو تم پاکیزہ الٰہی اہداف کے لئے یہ زخم خندہ پیشانی سے کیسے قبول نہیں کرتے؟
- یہ جو کبھی کامیابی اور کبھی ناکامی ملتی ہے؛ ایک جاری الٰہی سنت کے مطابق ہی ہے۔ یہ اِسی طرح ہے جیسے کبھی دن ہوتا ہے اور کبھی رات، ہر ایک میں حکیم خدا کی خاص حکمتیں پوشیدہ ہیں۔
- یہ اِس لئے بھی ہے کہ سچے مومنوں کو اُن لوگوں سے چھانٹ لیا جائے جو اپنے ایمان کے دعوے میں سچے نہیں ہیں۔
- اور یہ اِس لئے بھی ہے کہ اللہ چاہتا ہے کہ بعض لوگوں کو شہادت کے اعلیٰ مقام پر فائز کر دے۔ وہ چاہتا ہے کہ تمہیں ایک شاہد اُمت بنائے، دوسروں کے لئے مثال اور نمونہ بنا کر پیش کرے تا کہ تم دوسروں کے لئے راستے کی مشعل بن جاؤ اور تمہاری قربانیوں، صبر و ثبات اور استقامت سے دوسرے لوگ دین کی خاطر قربانی، صبر، ثبات اور استقامت کا درس لیں۔
- آیت کے اِس فقرے (وَٱللَّهُ لَا يُحِبُّ ٱلظَّٰلِمِينَ) کا مطلب یا تو یہ ہے کہ: یہ گمان نہ کرو کہ اللہ تعالیٰ نے اِس ظالم قوم کو اِن کی کسی خصوصیت کی بناء پر یہ وقتی فتح نصیب کی؛ حقیقت یہ ہے کہ اللہ اِن ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔

اِن میں ایسی کوئی چیز نہیں ہے جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہوا ہو گا یا پھر اِس سے مراد منافقین ہیں جن کو اللہ اِن ناکامیوں اور نقصانات کی بدولت (آڑ میں) مسلمانوں کی صفوں سے نکالنا چاہتا ہے۔ پورے مضمون کے ساتھ پہلے والی تعبیر زیادہ مناسب لگتی ہے۔

- اِس اونچ نیچ سے گزار کر ہی تو اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی تربیت کرتا ہے، اُنہیں ایمان کے اونچے درجوں تک بلند کرتا ہے، اُن کے ایمان اور عقیدے کو مزید مضبوطی اور جلا بخشتا ہے؛ یہ اُن کی تربیت اور شخصیت سازی کا ایک موثر ذریعہ ہے۔
- کفر کی طاقتوں کی تباہی اور بربادی کا راستہ یہی ہے۔ کبھی وقتی کامیابی اُنہیں مغرور کر کے ایسے اقدامات پر اُبھارے گی جو اُن کی مکمل تباہی کی طرف اُن کا سفر تیز تر کر دیں گی اور کبھی شکست اُن کو ایسے ذلیل اقدامات پر آمادہ کرے گی جو اُن کی تباہی کو قریب تر کر دیں گی۔

أَمۡ حَسِبۡتُمۡ أَن تَدۡخُلُواْ ٱلۡجَنَّةَ وَلَمَّا يَعۡلَمِ ٱللَّهُ ٱلَّذِينَ جَٰهَدُواْ مِنكُمۡ وَيَعۡلَمَ ٱلصَّٰبِرِينَ ﴿١٤٢﴾

(۱۴۲)۔ کیا تمہارا خیال ہے کہ تم جنت میں یونہی داخل ہو جاؤ گے جبکہ ابھی اللہ نے نہ تمہارے مجاہدین ممیز کئے ہیں اور نہ ہی صابرین۔

(۱۴۲)۔ یہ صرف ایک بے فائدہ گمان اور بے بنیاد تصور ہے کہ تم صرف اپنے دعوائے ایمان کی بنیاد پر جنت میں جا داخل ہو گے، اور اپنے آگے جنت کے دروازے کھلے پاؤ گے؛ قبل اِس سے کہ آزمائش سے گزر جاؤ، امتحانوں میں سرخرو ہو جاؤ اور آزمائشوں کے تناظر میں جنت میں داخلے کا استحقاق حاصل کرو۔ یہ توقع اللہ تعالیٰ کے سنن کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتی، جنت اللہ تعالیٰ نے اُن لوگوں کے لئے بنائی ہے جو آزمائشوں میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ وہ مجاہدین اور صابرین کی جگہ ہے تاہم یہ کہ جنت کے مستحق یہ صابرین اور مجاہدین کون ہیں؟ اِس کی عملی نشان دہی اللہ تعالیٰ آزمائشوں کے ہجوم میں کر دیتا ہے۔ اِس آیت سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ مجاہد اور صابر کے علاوہ کوئی جنت میں داخل نہیں ہو سکتا اور اِس سے یہ بھی استنباط کیا جا سکتا ہے کہ صبر کا دامن بہت وسیع ہے، صرف عملی عبادات کو محیط نہیں ہے بلکہ عقیدے کا بھی احاطہ کرتی ہے۔ اِسی سورت کے ابتدائی حصے میں آپ نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ پر اُس کی کتابوں پر اور پیغمبروں پر ایمان بھی صبر کا تقاضا کرتا ہے۔

وَلَقَدۡ كُنتُمۡ تَمَنَّوۡنَ ٱلۡمَوۡتَ مِن قَبۡلِ أَن تَلۡقَوۡهُ فَقَدۡ رَأَيۡتُمُوهُ وَأَنتُمۡ تَنظُرُونَ ﴿١٤٣﴾

(۱۴۳)۔ اور یقیناً موت کا سامنا کرنے سے قبل تم اِس کی تمنا کرتے تھے، پس تم نے دیکھ لیا اُسے، اِس حال میں کہ تم اُسے دیکھتے رہے۔

(۱۴۳)۔ یہاں موت سے بے خوفی اور اللہ کی راہ میں شہادت کی تمنا ایمان کی نشانیاں قرار دی گئی ہیں اور پیغمبر علیہ السلام کے تمام صحابہؓ کرام کو مخاطب کر کے کہا گیا ہے کہ تم سب شہادت کی تمنا کر رہے تھے۔ اِس مبارک آیت کی چند اہم باتیں توجہ طلب ہیں:

- صحابہؓ کرام شہادت کے لئے بے قرار رہتے تھے۔
- اُحد کی لڑائی میں اِس کا موقع حاصل ہوا۔
- اِس منظر کو دیکھتے رہنے کے بجائے اِس سے اپنے ارمان پورے کرنے کی کوشش ہونی چاہیے تھی۔

وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِ ٱلرُّسُلُ ۚ أَفَإِيْن مَّاتَ أَوْ قُتِلَ ٱنقَلَبْتُمْ عَلَىٰٓ أَعْقَـٰبِكُمْ ۚ وَمَن يَنقَلِبْ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ فَلَن يَضُرَّ ٱللَّهَ شَيْـًٔا ۗ وَسَيَجْزِى ٱللَّهُ ٱلشَّـٰكِرِينَ ﴿١٤٤﴾

(۱۴۴)۔ اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو فقط ایک پیغامبر ہے جس سے پہلے بھی بہت سے پیغام پہنچانے والے بھیجے گئے ہیں۔ تو اگر وہ وفات پا جائیں یا قتل کر دیئے جائیں؛ تو کیا تم اُلٹے قدموں پھر جاؤ گے ؟ اور جو کوئی منہ پھیر کر پھر جائے گا؛ تو اللہ کا تو کوئی نقصان نہیں کر سکے گا اور اللہ بہت جلد شُکر گزاروں کو اجر دے دے گا۔

---

(۱۴۴)۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم دوسرے پیغمبروں کی طرح ایک پیغمبر ہے۔ جس طرح وہ آئے اور اپنی ذمہ داری پوری کر کے چلے گئے اسی طرح آپؐ بھی چلے جائیں گے۔ تو پھر کیا تم لوگ آپؐ کی رحلت یا شہادت کی صورت میں اُلٹے قدموں پھر جاؤ گے ؟ اُنہوں نے تو آپ کو اللہ کی بندگی کی طرف بلایا ہے اور اللہ ہمیشہ موجود رہے گا؛ تو کیا پیغمبر کے جانے کے بعد آپ اللہ کی بندگی سے ہاتھ کھینچ لیں گے ؟ خوب جان لیں کہ اِس طرح آپ اللہ کا کچھ نہیں بگاڑ پائیں گے اور نہ اُس کے دین کو کوئی نقصان پہنچا سکیں گے صرف اپنا نقصان کر لیں گے۔ جو کوئی ایمان کی قدر و قیمت کو جانتا ہے اور دین کے دفاع کی راہ میں اپنی تمام توانائی صرف کرتا ہے وہ شاکر بندہ ہے؛ اللہ اُس کا اجر لازماً اُسے دے گا۔

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَن تَمُوتَ إِلَّا بِإِذْنِ ٱللَّهِ كِتَـٰبًا مُّؤَجَّلًا ۗ وَمَن يُرِدْ ثَوَابَ ٱلدُّنْيَا نُؤْتِهِۦ مِنْهَا وَمَن يُرِدْ ثَوَابَ ٱلْـَٔاخِرَةِ نُؤْتِهِۦ مِنْهَا ۚ وَسَنَجْزِى ٱلشَّـٰكِرِينَ ﴿١٤٥﴾

(۱۴۵)۔اور کسی نفس کو موت نہیں آسکتی مگر اللہ کے حکم سے ایک مقرر نوشتے کے مطابق۔ اور جو کوئی دنیا میں صلے کا طالب ہے اُسے ہم اِسی میں سے دے دیتے ہیں اور جو آخرت کا اجر مانگتا ہے تو اُسے اُس میں سے عطا کرتے ہیں اور عنقریب ہم شکر گزاروں کو بہتر بدلہ دے دیں گے۔

(۱۴۵)۔اس مبارک آیت میں درج ذیل رہنمائیاں کی گئی ہیں:

- ہر شخص کی موت کا وقت معین ہے۔
- یہ خاص وقت ایک خاص کتاب میں درج ہے۔ایک ایسی کتاب جس میں کوئی تبدیلی نہیں کی جاسکتی۔
- موت اُسی مقررہ اور لکھے ہوئے وقت پر آتی ہے۔
- جو کوئی اپنے اعمال کا دنیوی فائدہ اُٹھانا چاہتا ہے اللہ اُسے اِس میں سے دے دیتا ہے اور جو اُخروی فائدے کی تلاش میں ہوتا ہے اُس کا صلہ اللہ آخرت میں سے اُسے دے دیتا ہے۔
- اللہ کے شاکر بندے بہت جلد اپنا اجر پالیں گے، نہ اُن کا دنیوی اجر ضائع ہوتا ہے اور نہ اُخروی۔

اِس آیت کی رو سے اللہ تعالیٰ کا شاکر بندہ وہ ہے جو زندگی اور موت کو اللہ کی طرف سے سمجھتا ہے اور اپنے اعمال کے اُخروی بدلے کی تلاش میں ہوتا ہے۔

وَكَأَيِّن مِّن نَّبِيٍّ قَـٰتَلَ مَعَهُۥ رِبِّيُّونَ كَثِيرٌ فَمَا وَهَنُواْ لِمَآ أَصَابَهُمۡ فِي سَبِيلِ ٱللَّهِ وَمَا ضَعُفُواْ وَمَا ٱسۡتَكَانُواْۗ وَٱللَّهُ يُحِبُّ ٱلصَّـٰبِرِينَ ﴿١٤٦﴾ وَمَا كَانَ قَوۡلَهُمۡ إِلَّآ أَن قَالُواْ رَبَّنَا ٱغۡفِرۡ لَنَا ذُنُوبَنَا وَإِسۡرَافَنَا فِيٓ أَمۡرِنَا وَثَبِّتۡ أَقۡدَامَنَا وَٱنصُرۡنَا عَلَى ٱلۡقَوۡمِ ٱلۡكَـٰفِرِينَ ﴿١٤٧﴾ فَـَٔاتَىٰهُمُ ٱللَّهُ ثَوَابَ ٱلدُّنۡيَا وَحُسۡنَ ثَوَابِ ٱلۡأٓخِرَةِۗ وَٱللَّهُ يُحِبُّ ٱلۡمُحۡسِنِينَ ﴿١٤٨﴾

(۱۴۶) اور بہت سے پیغمبر ایسے تھے کہ بہت سے خدا پرست اُن کی معیت میں لڑے مگر اللہ کی راہ میں آنے والی مصیبتوں کی وجہ سے نہ تو پست پڑے، نہ ہی ضعف کا احساس کیا اور نہ دشمن کے سامنے ذلت قبول کی۔ اور ایسے صبر کرنے والے اللہ کو محبوب ہوتے ہیں۔ (۱۴۷) اور اُن کی زبان پر اِس بات کے علاوہ کچھ نہیں ہوتا تھا کہ کہتے تھے: اے ہمارے رب! ہمارے گناہ

اور ہمارے کاموں میں ہماری بے اعتدالیاں معاف فرما اور ہمارے قدم استوار رکھ اور اِس کافر گروہ پر ہمیں غلبہ عطا فرما۔ (۱۴۸) تو اللہ نے اُنہیں دنیوی بدلہ بھی عطا کر دیا اور آخرت کا بہتر بدلہ بھی: اور اللہ ایسے محسنین کو پسند کرتا ہے۔

(۱۴۶۔۱۴۸)۔ ان مبارک آیات میں چند اساسی رہنمائیاں ملتی ہیں:

- محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے بہت سے پیغمبر آئے اور چلے گئے ہیں۔ اُن میں سے ہر ایک کی معیت میں خدا پرستوں کی ایک تعداد جمع ہوتی رہی ہے اور اللہ کی راہ میں لڑتی رہی ہے۔ پیغمبروں اور خدا پرستوں کا راستہ یہی ہے؛ حق کے دفاع میں کفر، شر، فساد اور ظلم کی قوتوں کے خلاف لڑ کر دکھانا۔
- اِن انبیاء کے ایمان دار ساتھی ایسے تھے کہ اللہ کی راہ میں مصیبتوں سے دوچار ہونے کی وجہ سے نہ تو سست پڑے، نہ تھکن اور ناتوانی کا احساس کیا اور نہ ہی دشمن کے سامنے سپر انداز ہونے کی ذلت و حقارت قبول کی۔ کہیں ایسا نہ ہو جائے کہ تم اللہ کی راہ کی صعوبتوں کے ساتھ دوچار ہونے کی وجہ سے سست پڑ جاؤ، اپنا ذوق و شوق اور جذبہ کھو بیٹھو، دشمن کی قوت سے خوفزدہ ہو جاؤ اور اُس کے آگے ضعف و ناتوانی کا احساس کر کے اُس کی شرائط کے سامنے جھک کر اُس کی بڑائی مان لو۔
- وہ ناکامیوں کے بعد بھی مایوس نہیں ہوئے۔ ناکامیاں اور ہزیمتیں اپنی لغزشوں اور اِسراف کا نتیجہ قرار دیتے ہوئے اپنے گناہوں اور بے اعتدالیوں کی معافی مانگتے رہے۔ محاذ سے کبھی نہیں ہٹے اور مقابلے سے دستبردار نہیں ہوئے، ہمیشہ دشمن کے مقابلے میں اپنے اللہ کے دربار میں غلبے کی دعائیں مانگتے رہے۔ واضح رہے کہ یہی ایمان کا تقاضا ہے۔
- اُنہیں دنیا کی کامیابیاں ملیں اور آخرت کی فلاح اور سعادت بھی نصیب ہوئی۔
- یہی محسنین ہیں اور یہی احسان کا راستہ ہے۔ اپنی انہی قابلِ قدر صفات کی وجہ سے وہ اللہ کی دوستی کے مستحق قرار پائے ہیں، ایسے محسنین اللہ کو محبوب ہوتے ہیں۔
- دوسرے خدا پرستوں کو بھی اللہ کی راہ میں مصیبتیں اور شدائد لاحق ہوتے رہے مگر اُن مصیبتوں کی وجہ سے نہ وہ سست پڑے، نہ کمزوری دکھائی، نہ دشمن کے آگے کبھی ذلت سے سر جھکایا اور نہ بے صبری کا شکار ہوئے۔ وھن کا معنٰی سستی ہے مگر یہاں اِس سے مراد وہ حالت ہے جس سے انسان ناکامی اور شکست کی حالت میں دوچار ہوتا ہے یعنی اُس کا پہلے والا ذوق و شوق ختم ہو جاتا ہے، جذبات ٹھنڈے پڑ جاتے ہیں اور نا اُمید اور لاچار ہو جاتا ہے۔ ضعف سے مراد وہ حالت ہے جب انسان کمزوری اور ناتوانی کا احساس کر لیتا ہے اور دشمن کے مقابلے میں اپنے آپ کو کمزور

سمجھنے لگ جاتا ہے اور استکانت سے مراد ذلت تسلیم کرنا اور دشمن کے شرائط کی آگے جھک جانا ہے۔ جو کوئی اِن تین کمزوریوں سے اپنی حفاظت کر لیتا ہے وہ صابر ہے؛ اور اللہ کا محبوب ہے۔ اللہ ایسے صابروں کو پسند فرماتا ہے۔

- اِن خداپرستوں نے نہ صرف صبر سے کام لیا ہے بلکہ وہ کہا کرتے تھے: اے ہمارے رب! ہمارے گناہ اور اپنے اعمال وافعال میں ہماری بے اعتدالیاں معاف فرما، یہ مصیبتیں اور ناکامیاں ہمارے گناہوں، اسراف اور بے اعتدالیوں کا نتیجہ ہے۔ پس تو ہمارے قدم جمادے اور اِس کافر گروہ پر ہمیں غلبہ عطا فرما۔ شکست کی وجہ سے اُنہوں نے اپنا موقف کبھی ترک نہیں کیا، میدان نہیں چھوڑا، فتح اور بالادستی کی امید کی شمع اُسی طرح روشن رکھی اور ثابت قدم اور حق کی فتح کے منتظر رہے۔
- اُنہیں اللہ نے اُن کا دنیوی بدلہ بھی دیا اور بہتر اُخروی اجر بھی؛ دنیا میں فتح نصیب ہوئی اور آخرت میں اللہ کی رضا اور جنت۔

یہاں بھی آپ غور کریں تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ دشمنوں پر فتح کے لئے بے قراری اور اللہ تعالیٰ سے کافروں پر غلبہ عطا کرنے کی دعا مومنوں اور انبیاء کے مجاہد ساتھیوں کی آخری خواہش، ارمان اور دعا بتائی گئی ہے۔ بتایا جارہا ہے کہ ایسے ہوتے ہیں مومن اور یہ ہوتی ہے اُن کی دعا۔ جس کسی کی دعا میں یہ حصہ شامل نہیں ہوتا اُسے چاہیے کہ اپنے ایمان اور راہِ عمل پر تجدید کی نظر ڈالے۔

يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِن تُطِيعُواْ ٱلَّذِينَ كَفَرُواْ يَرُدُّوكُمْ عَلَىٰٓ أَعْقَـٰبِكُمْ فَتَنقَلِبُواْ خَـٰسِرِينَ ﴿١٤٩﴾

(۱۴۹)۔ اے ایمان والو! اگر تم نے اُن لوگوں کی اطاعت کی جو کافر ہوئے ہیں، تو وہ تمہیں اُلٹے قدموں پھیر دیں گے؛ پس نقصان پانے والے ہو جاؤ گے۔

---

(۱۴۹)۔ اگر تم نے کافروں کی بات مان لی اور اُن کی راہ اپنائی تو اُنہی کی طرح ہو جاؤ گے۔ اگر اُن کے زیرِ اثر آئے، اللہ کی مدد سے مایوس ہو گئے اور جہاد ترک کیا تو شدید نقصان اُٹھالو گے۔

بَلِ ٱللَّهُ مَوْلَـٰكُمْ ۖ وَهُوَ خَيْرُ ٱلنَّـٰصِرِينَ ﴿١٥٠﴾

(۱۵۰)۔ ایسا نہیں ہے بلکہ اللہ تمہارا ساتھی ہے اور وہ سب سے بہتر مددگار ہے۔

(۱۵۰)۔ اللہ کی مدد سے مایوس نہ ہوں اور کسی دوسرے کی مدد کی راہ تکنے نہ لگ جانا۔ ایسا نہ ہو کہ یہ ناکامی اِس کا باعث بن جائے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور؛ خصوصاً اُس کے دشمن کی طرف مدد کے لئے ہاتھ بڑھالو۔ اللہ ہی سب سے بہتر مدد گار ہے۔

سَنُلْقِي فِي قُلُوبِ ٱلَّذِينَ كَفَرُواْ ٱلرُّعْبَ بِمَآ أَشْرَكُواْ بِٱللَّهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِۦ سُلْطَٰنًاۖ وَمَأْوَىٰهُمُ ٱلنَّارُۚ وَبِئْسَ مَثْوَى ٱلظَّٰلِمِينَ ﴿١٥١﴾

(۱۵۱)۔ حتماً ہم کافروں کے دلوں میں تمہارا رعب ڈال دیں گے اس لئے کہ اُنہوں نے اللہ کے ساتھ ایسے شریک ٹھہرائے ہیں جس کے لئے اُس نے کوئی دلیل نازل نہیں کی۔ اور اُن کے رہنے کی جگہ آگ ہوگی اور کتنا بُرا ہے ظالموں کا ٹھکانا۔

(۱۵۱)۔ تمہاری فتح کے لئے تو صرف اتنا ہی کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ کافروں کے دلوں میں خوف ڈال دے۔ کسی بھی معرکے میں فتح اُس کے حصے میں آتی ہے جس کا دل مضبوط اور مطمئن ہوتا ہے اور حتمی شکست اُس کا مقدر ہوتی ہے جس کے دل پر خوف مسلط ہو جائے؛ پس اللہ تعالیٰ تمہارے دشمن کے دل میں خوف ڈال دے گا اور جان لو کہ اِس خوف کی اصل وجہ اُن کا شرک ہوگا۔ وہ شرک جس کے لئے اُن کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے، اللہ کی کسی کتاب میں اُس کے لئے کوئی دلیل نازل نہیں ہوئی۔

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ ٱللَّهُ وَعْدَهُۥٓ إِذْ تَحُسُّونَهُم بِإِذْنِهِۦۖ حَتَّىٰٓ إِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَٰزَعْتُمْ فِي ٱلْأَمْرِ وَعَصَيْتُم مِّنۢ بَعْدِ مَآ أَرَىٰكُم مَّا تُحِبُّونَۚ مِنكُم مَّن يُرِيدُ ٱلدُّنْيَا وَمِنكُم مَّن يُرِيدُ ٱلْأَخِرَةَۚ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْۖ وَلَقَدْ عَفَا عَنكُمْۗ وَٱللَّهُ ذُو فَضْلٍ عَلَى ٱلْمُؤْمِنِينَ ﴿١٥٢﴾

(۱۵۲)۔ اور یقیناً اللہ نے تمہارے ساتھ اپنا وعدہ سچ کر دکھایا۔ اُس وقت جب اللہ کے حکم سے تم اِن کو پکڑتے اور مارتے رہے، اُس وقت تک کہ تم دل ہار بیٹھے اور اِس کام میں آپس میں نزاع میں پڑ گئے اور اُس کے بعد نافرمانی کی جب تمہیں تمہاری محبوب

چیزیں دکھا دی گئیں، تم میں سے بعض دنیا کی طلب رکھتے تھے اور بعض آخرت کی، اور پھر (اللہ نے) تمہارا رُخ اُن (کے تعاقب) سے پھیر دیا تاکہ تمہیں آزمائش میں ڈال دے اور یقیناً اُس نے تمہیں معاف کیا اور اللہ تو مومنوں پر بڑی عنایت کی نظر رکھتا ہے۔

---

(۱۵۲)۔ اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ اپنا وعدہ پورا کیا، تمہیں فتح بخشی، تم نے دشمن کو اپنے آگے لگا رکھا تھا اور اُن کو یکے بعد دیگرے پکڑ پکڑ کر مار رہے تھے۔ یہ سلسلہ اُس وقت تک جاری رہا جب تم ہی دل ہار کر ڈھیلے پڑ گئے اور اس لئے کہ جب غنائم پر تمہاری نظر پڑ گئی تو آپس میں اختلاف کیا اور پیغمبر کی ہدایات اور اوامر کو نظر انداز کیا۔ جب بالآخر طالبینِ آخرت کی صفوں میں غنیمت کے متلاشی بھی پیدا ہوئے تو ایسے میں تمہاری فتح شکست میں تو بدلنی ہی تھی اور اللہ نے اپنی مدد تو روکنی ہی تھی اور دشمن کے تعاقب سے تو پیچھے رہ جانا ہی تھا۔ مگر یہ بھی اللہ تعالیٰ کی ایک آزمائش تھی پس اُس نے تمہاری غلطی معاف کر دی۔ اگر اللہ کی معافی تمہارے شاملِ حال نہ ہوتی تو نہ معلوم کس بُرے انجام سے دوچار ہو جاتے اور اللہ مومنوں کے لئے فضل ہی کا مالک ہے۔

إِذۡ تُصۡعِدُونَ وَلَا تَلۡوُۥنَ عَلَىٰٓ أَحَدٖ وَٱلرَّسُولُ يَدۡعُوكُمۡ فِيٓ أُخۡرَىٰكُمۡ فَأَثَٰبَكُمۡ غَمَّۢا بِغَمّٖ لِّكَيۡلَا تَحۡزَنُواْ عَلَىٰ مَا فَاتَكُمۡ وَلَا مَآ أَصَٰبَكُمۡۗ وَٱللَّهُ خَبِيرُۢ بِمَا تَعۡمَلُونَ ﴿١٥٣﴾

(۱۵۳)۔ جب تم اوپر ہی اوپر چڑھ (بھاگ) رہے تھے اور تم میں سے کوئی مڑ کر دیکھنے تک کا روادار نہیں تھا، اِس حال میں کہ پیغمبر تمہیں پیچھے سے بُلا بھی رہا تھا تو (اللہ نے) تمہیں پے در پے دکھوں کی سزا دی تاکہ اُس چیز کا غم بھی بھول جاؤ جو ہاتھ سے نکل گیا اور جو مصیبت پہنچی اُس کا بھی۔ اور جو تم کرتے ہو اللہ اُسے خوب جانتا ہے۔

---

(۱۵۳)۔ تم میدانِ جنگ چھوڑ کر پہاڑ پر پناہ لینے کے لئے چڑھ رہے تھے اور پیغمبر علیہ السلام کو بھی پیچھے چھوڑ دیا تھا، وہ آوازیں دے دے کر تمہیں بلا رہا تھا مگر تم مڑ کر بھی نہیں دیکھ رہے تھے۔ پس پے در پے دکھ دے کر اللہ تعالیٰ نے تم کو سزا دی، غنائم سے ہاتھ دھو بیٹھے، نقصانات برداشت کئے، بہت سے شہید ہوئے، زخمی ہوئے اور تمہاری فتح ہزیمت میں بدل گئی۔

اس آیت کے آخری حصے کی کئی تعبیرات اور توجیہات ملتی ہیں مگر اُن میں سب سے زیادہ وقیع اور بہتر توجیہہ یہ ہے کہ: تمہیں کہا گیا تھا کہ کسی حالت میں آزردہ نہ ہوں، اللہ کی راہ میں ہر قربانی اور نقصان خندہ پیشانی سے جھیلنا چاہیے۔ اللہ کی راہ میں مرنے والوں کو مردہ نہ سمجھو، وہ زندہ ہیں، تمہاری ہر چیز اللہ کی ہے اور اُس کی راہ میں اِن کی قربانی اِس طرح ہے جیسے اللہ کو اُس کی امانت لوٹا دی ہو۔ اللہ تعالیٰ نے تم پر یہ مصیبتیں اِس لئے ڈال دیں کہ پتہ چل جائے کہ کیا واقعی تم ایسے ہی ہو کہ اللہ کی راہ میں نہ نقصانات پر آزردہ ہوتے ہو اور نہ مصیبتوں پر رنجیدہ۔ اگر ایسی حالت سے فی الواقع کبھی سابقہ ہی پیش نہ آیا ہو تو کیسے پتہ چلے گا کہ کون ہے جو صابر ہے، ٹھنڈے پیٹوں دکھ جھیلتا اور خندہ پیشانی سے صعوبتیں برداشت کرتا ہے۔ اِس دردناک حالت میں تمہارے ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ نہ آہ وبکا سنائی دے اور نہ ہی تم آزردہ ہوں۔

ثُمَّ أَنزَلَ عَلَيْكُم مِّنۢ بَعْدِ ٱلْغَمِّ أَمَنَةً نُّعَاسًا يَغْشَىٰ طَآئِفَةً مِّنكُمْ ۖ وَطَآئِفَةٌ قَدْ أَهَمَّتْهُمْ أَنفُسُهُمْ يَظُنُّونَ بِٱللَّهِ غَيْرَ ٱلْحَقِّ ظَنَّ ٱلْجَٰهِلِيَّةِ ۖ يَقُولُونَ هَل لَّنَا مِنَ ٱلْأَمْرِ مِن شَىْءٍ ۗ قُلْ إِنَّ ٱلْأَمْرَ كُلَّهُۥ لِلَّهِ ۗ يُخْفُونَ فِىٓ أَنفُسِهِم مَّا لَا يُبْدُونَ لَكَ ۖ يَقُولُونَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ ٱلْأَمْرِ شَىْءٌ مَّا قُتِلْنَا هَٰهُنَا ۗ قُل لَّوْ كُنتُمْ فِى بُيُوتِكُمْ لَبَرَزَ ٱلَّذِينَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ ٱلْقَتْلُ إِلَىٰ مَضَاجِعِهِمْ ۖ وَلِيَبْتَلِىَ ٱللَّهُ مَا فِى صُدُورِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِى قُلُوبِكُمْ ۗ وَٱللَّهُ عَلِيمٌۢ بِذَاتِ ٱلصُّدُورِ ﴿١٥٤﴾

(۱۵۴)۔ پھر اِن دکھوں کے بعد اُس (اللہ) نے تمہارے اوپر غنودگی کی صورت میں وہ اطمینان (سکون) نازل فرمایا جو تمہارے ایک گروہ پر چھا رہا تھا اور ایک دوسرا گروہ اب بھی ایسا تھا جسے اپنی جان کے لالے پڑے ہوئے تھے۔ وہ اللہ کے بارے میں دورِ جاہلیت کے خلافِ حق گمان کر رہا تھا، کہتا تھا اِس کام کی ہم پر کیا ذمہ داری ہے؟ انہیں کہو: کہ کام تو سارے اللہ کے (اختیار میں) لئے ہیں۔ یہ اپنے دلوں میں وہ کچھ چھپا رہے ہیں جو تم پر کھولنا نہیں چاہتے، کہتے ہیں: اگر اِس کام میں کچھ ہمارا بھی حصہ (دخل) ہوتا تو یہاں نہ مارے جاتے۔ اِنہیں کہو کہ: تم اگر اپنے گھروں میں ہوتے تو بھی جس کا جہاں پر مر جانا مقدر تھا وہ لازماً

وہیں پہنچ جاتا اور (یہ معاملہ جو پیش آیا اس لئے تھا) تاکہ اللہ تمہارے سینوں میں موجود (خیالات) کی آزمائش کرے اور دلوں کی باتیں طشت ازبام کر دے اور اللہ دلوں کی باتیں خوب جانتا ہے۔

---

(۱۵۴)۔اس مبارک آیت میں چند اہم باتیں ہمارے سامنے رکھی گئی ہیں:

- لڑائی کی اُس سخت اور پُر اضطراب حالت میں بعض مجاہدین کا یہ حال تھا کہ وقفے وقفے سے اُن پر غنودگی جیسی حالت آجاتی تھی۔ نیند سے مشابہہ یہ حالت اُن لوگوں پر طاری ہوتی ہے جنہیں کوئی خوف کوئی تشویش لاحق نہیں ہوتی۔ خوف کی حالت میں نیند کا آنا ممکن ہی نہیں ہوتا، اِن کے اوپر غنودگی کا طاری ہوجانا اِس بات کی آئینہ دار ہے کہ اُنہیں کوئی خوف نہیں تھا، اُن کے دل مطمئن تھے اور اللہ تعالیٰ نے اُن پر سکینت اور اطمینان نازل فرمایا تھا۔
- اِن کے برعکس دوسرا گروہ ایسا تھا جسے اپنی جانوں کے علاوہ دوسری کسی چیز کی فکر نہیں تھی۔ اُن کی ساری بھاگ دوڑ بس یہی تھی کہ اپنے آپ کو کسی طرح بچالیں۔ اُنہیں نہ اِس بات کی فکر تھی کہ پیغمبر علیہ السلام اور دوسرے مسلمانوں کا کیا ہوگا اور نہ ہی اسلام اور مدینے کے مستقبل سے کوئی سروکار تھا۔ اللہ تعالیٰ کے بارے میں اُن کا عقیدہ متزلزل ہو گیا تھا اور اُن کے دل و دماغ میں ایسے خیالات کلبلا رہے تھے جو جاہلیت کے دور کے عقائد اور گمانوں کی مانند تھے۔ اللہ سے ناامید ہوگئے تھے اور الٰہی نصرت کے وعدوں کو شک کی نگاہ سے دیکھ رہے تھے۔
- بعض کہتے تھے: اِن جھگڑوں سے کیا حاصل ہوگا اگر اِن میں کوئی فائدہ ہوتا تو یہاں اِس طرح نہ مارے جاتے۔ بعض دوسرے کہتے تھے: اگر اِس معرکے کی قیادت اور کمان ہمارے ہاتھ میں ہوتی یا ہمارے مشوروں کو قابلِ اعتناء گردانا گیا ہوتا تو اِن حالات سے دوچار نہ ہوتے، قیادت ٹھیک نہیں تھی، جنگ کی منصوبہ بندی ٹھیک نہیں کی گئی تھی، لازمی پوزیشنیں سنبھالی نہیں گئی تھیں، شکست اور نقصانات کا ذمہ دار وہی ہے جو اِس لڑائی کا کرتا دھرتا تھا۔
- اِن سب کے لئے بہتر جواب یہ ہے کہ: تمام امور اللہ کے ہاتھ میں ہیں، سب کچھ اُسی کے ارادے سے انجام پاتا ہے اور ہر کام کا نتیجہ اور انجام اُسی کی طرف سے مقرر کیا جاتا ہے۔
- یہ زبان سے تو کچھ اور کہتے ہیں مگر اِن کے دلوں کے خیالات اِس سے مختلف ہیں۔ اِن کے دلوں کی مخفی بات یہ ہے کہ: اگر اِس جنگ کی کمان ہمارے ہاتھ میں ہوتی تو اِس قتل و غارت کا شکار نہ بنتے۔
- اصل بات یہ ہے کہ اِن کو اِس بات پر یقین نہیں ہے کہ موت کا وقت بھی معین ہے اور مقام بھی۔ اِن کو کہہ دو: اگر تمہاری رائے مانی جاتی اور جنگ کے لئے باہر نہ نکلتے تو بھی جن لوگوں کو مرنا تھا وہ اپنے پیروں پر چل کر اُس مقام تک

پہنچ جاتے جو اُن کے قتل کئے جانے کے لئے پہلے سے مقرر تھا۔ آخر میدان جنگ کے باہر بھی تو لوگ مرتے ہیں، ایسا نہیں ہوتا کہ بے غیرتی موت سے بچا سکے، موت تو بے غیرتوں کو بھی آ ہی جاتی ہے۔ وہ بے ہمت اقوام جنہوں نے دشمن کے مقابلے سے پہلو تہی کی ہے، دشمن کے آگے سپر انداز ہوئے ہیں اور دشمن کسی رکاوٹ اور روک ٹوک کے بغیر اُن کی بستیوں پر قابض ہوا ہے تو اُن کے بھی جانی نقصانات کسی صورت اُن سے کم نہیں ہوتے جنہوں نے میدان میں نکل کر بے جگری سے دشمن کا مقابلہ کیا ہوتا ہے۔

- یہ آزمائش اِس لئے تھی کہ ایک طرف منافقین کے سینوں کے راز کھول دیئے جائیں اور دوسری طرف مومنوں کا خلوص اور صداقت مزید مضبوط اور طاقتور بنادی جائے۔

إِنَّ ٱلَّذِينَ تَوَلَّوۡاْ مِنكُمۡ يَوۡمَ ٱلۡتَقَى ٱلۡجَمۡعَانِ إِنَّمَا ٱسۡتَزَلَّهُمُ ٱلشَّيۡطَٰنُ بِبَعۡضِ مَا كَسَبُواْۖ وَلَقَدۡ عَفَا ٱللَّهُ عَنۡهُمۡۗ إِنَّ ٱللَّهَ غَفُورٌ حَلِيمٌ ۝١٥٥

(۱۵۵)۔ یقیناً تم میں سے جو لوگ دو فوجوں کے آمنے سامنے ہونے کے دن پیچھے ہٹے در حقیقت اُنہیں شیطان نے اپنی کارستانیوں کے بل پر پھسلایا تھا، بے شک اللہ نے اُنہیں معاف کیا، یقیناً اللہ بُردبار بخشنے والا ہے۔

(۱۵۵)۔ وہ لوگ جنہوں نے لڑائی کے دن بے ہمتی اور کمزوری دکھائی اور میدان سے پیچھے ہٹے؛ اُن کی بے ہمتی کی اصل وجہ وہ اعمال تھے جو اِس سے قبل اُنہوں نے کئے تھے، اِن کے اُن اعمال کی وجہ سے شیطان کو یہ موقع ہاتھ لگا تھا کہ اِن کے دل میں راہ بنائے اور اِن کے قدم ڈگمگا دے۔ اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ گناہ انسان کو بے ہمت بناتا ہے، اُس کی غیرت اور شجاعت مٹاڈالتا ہے اور شیطان کو یہ موقع فراہم کرتا ہے کہ حساس لمحات میں اُس کے دل میں خوف ڈال دے اور اُس کے قدم بہکا دے۔ اللہ تعالیٰ نے اِن لوگوں کو معاف کیا، یہ اِس لئے کہ وہ حلیم بخشنے والا ہے اگر اُس کے حلم اور مغفرت کا تقاضا نہ ہوتا تو اِس گناہ کی پاداش میں اِن پر سخت گرفت کرتا۔

يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ لَا تَكُونُواْ كَٱلَّذِينَ كَفَرُواْ وَقَالُواْ لِإِخْوَٰنِهِمْ إِذَا ضَرَبُواْ فِى ٱلْأَرْضِ أَوْ كَانُواْ غُزًّى لَّوْ كَانُواْ عِندَنَا مَا مَاتُواْ وَمَا قُتِلُواْ لِيَجْعَلَ ٱللَّهُ ذَٰلِكَ حَسْرَةً فِى قُلُوبِهِمْ ۗ وَٱللَّهُ يُحْىِۦ وَيُمِيتُ ۗ وَٱللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿١٥٦﴾

(۱۵۶)۔ اے ایمان والو! اُن لوگوں کی طرح نہ بنو جو کافر ہوئے اور اپنے سفر پر نکلے ہوئے یا غزوہ میں شریک بھائیوں کے بارے میں (جو وہاں مر گئے یا مارے گئے) کہا کرتے تھے کہ: اگر وہ ہمارے پاس ہوتے تو نہ مرتے اور نہ قتل کئے جاتے! تاکہ اللہ اِس قسم کی باتوں کو اُن کے دلوں میں حسرت کا باعث بنادے ورنہ دراصل مارنے اور جِلانے والا تو اللہ ہی ہے۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو وہ اللہ کی نظروں میں ہے۔

(۱۵۶)۔ اِس آیت کے اساسی مطالب درج ذیل ہیں:

- مسلمان زندگی اور موت کا کافرانہ تصور رکھنے سے منع کیے گئے ہیں۔
- اگر کسی نے کسی کی موت یا قتل کو اُس کے سفر یا جہاد کی طرف منسوب کیا اور اپنے کسی مر جانے والے یا مارے جانے والے عزیز کے بارے میں یہ رائے رکھی کہ: اگر ہمارے ساتھ رہتا، جہاد میں حصہ نہ لیتا یا سفر پر نہ نکلتا تو مرنے اور قتل ہو جانے سے بچ گیا ہوتا تو اُس کا یہ تصور ایک کافرانہ تصور اور اعتقاد ہے۔
- زندگی اور موت کا فیصلہ صرف اللہ تعالیٰ کرتا ہے۔
- اِس کافرانہ تصور کا نتیجہ اِس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہ دل میں حسرت پیدا کرنے کا باعث بن جائے، اِس حسرت کی بدولت اللہ جل شانہ کافروں کو عذاب دیتا ہے۔
- انسان کے جن اعمال و افعال کو اِس کافرانہ اعتقاد سے غذا ملتی ہے، چاہے وہ موت کا خوف ہو، جہاد میں حصہ نہ لینا ہو یا میدانِ جنگ میں اپنے عزیز و اقارب کے بھیجنے سے پہلو تہی ہو؛ اللہ کو اُن سب کا پتہ ہے اور وہ تمہارے تمام اعمال کا شاہد اور ناظر ہے۔

وَلَئِن قُتِلْتُمْ فِي سَبِيلِ ٱللَّهِ أَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ ٱللَّهِ وَرَحْمَةٌ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ ﴿١٥٧﴾ وَلَئِن مُّتُّمْ أَوْ قُتِلْتُمْ لَإِلَى ٱللَّهِ تُحْشَرُونَ ﴿١٥٨﴾

(۱۵۷)۔ اور اگر تم اللہ کی راہ میں مر جاؤ یا مارے جاؤ تو اللہ کی مغفرت اور نوازش اُس سے بہت بہتر ہے جو دوسرے لوگ جمع کرتے ہیں۔ (۱۵۸) اور اگر مر جاؤ یا مارے جاؤ تو لازماً اللہ کے پاس جمع (حاضر) کئے جاؤ گے۔

(۱۵۷۔۱۵۸)۔ موت سے ڈرتے کیوں ہو، اللہ کی راہ میں شہادت کے نتیجے میں تو اللہ تمہارے گناہ معاف فرمائے گا اور اپنی بے انتہا رحمت اور نوازش سے سرفراز فرمادے گا۔ یہ تو اُن چیزوں سے بدرجہا بہتر ہے جو شہادت سے محروم لوگ اپنی پوری زندگی میں حاصل کرتے ہیں۔ آنا تو اُنہوں نے بھی تمہارے پیچھے ہی ہے آج نہ سہی تو چند مہینے یا چند سال بعد سہی؛ اور پھر یہ موت تو زندگی کا اختتام ویسے بھی نہیں ہے، یہ تو دوسری زندگی کی ابتداء ہے، یہ تو تمہارے رب کے پاس تمہارے لے جانے کا راستہ ہے۔ ایک ایسے کام سے مسلمان کس طرح گریز کر سکتا ہے جو اُس کے محبوب رب کے پاس اُسے لے جاتا ہو؟

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ ٱللَّهِ لِنتَ لَهُمْ ۖ وَلَوْ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ ٱلْقَلْبِ لَٱنفَضُّوا۟ مِنْ حَوْلِكَ ۖ فَٱعْفُ عَنْهُمْ وَٱسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي ٱلْأَمْرِ ۖ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى ٱللَّهِ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ يُحِبُّ ٱلْمُتَوَكِّلِينَ ﴿١٥٩﴾

(۱۵۹)۔ تو اپنے رب کی رحمت کی وجہ سے تم نرم خو ہو اور اگر تم درشت زبان اور سخت دل (درشت خو) ہوتے تو یہ تمہارے آس پاس سے چھنٹ جاتے۔ پس اِنہیں معاف کردو اور اِن کے لئے مغفرت کی دعا کرو، اور امور میں اِن کے ساتھ مشورہ کرتے رہو تو جب عزم کر بیٹھو پھر اللہ پر توکل کرو، یقیناً اللہ توکل کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

---

(۱۵۹)۔ قائد کا اپنے ساتھیوں کے ساتھ نرمی سے پیش آنا اللہ کی نوازش ہے۔ (اے محمدؐ) تم اِسی الٰہی نوازش کے سبب اپنی اُمت کے لئے مہربان اور نرم دل ہو، درشت زبان اور درشت خو سرداروں کی طرح نہیں ہو، اُن کے گرد تو صرف کم ظرف لوگ ہی جمع ہوتے ہیں۔ اگر تمہارے اندر ایسی کمزوریاں ہوتیں تو تمہارے ارد گرد جمع ہونے والے یہ مسلمان منتشر ہو جاتے۔ ایسا نہ ہو کہ اِن کی لغزشیں تمہیں سختی پر اُبھاریں، نرمی کے بجائے تند و ترش لہجے سے اِن کو مخاطب کرنے لگ جاؤ اور لطف و مہربانی کے بجائے اِن کی غلطیوں پر سختی سے اِن کی گرفت کرو۔ پس اِن کی غلطیوں سے چشم پوشی کرو اور اللہ سے اِن کے لئے مغفرت کی دعا

مانگو۔ یہاں تک کہ اِن کی غلطیوں کے پیش نظر اِن کے ساتھ مشورہ کرنے سے گریز بھی نہ کرو، تمام کاموں میں مشورہ کرنا تمہارا فرض اور اِن کا حق ہے۔ تم اِن کے ساتھ مشورہ کرنے کے مکلف ہو حتیٰ کہ اُن کے ساتھ بھی جن کا مشورہ صائب نہیں ہوتا اور اِس سے پہلے اُن کے مشوروں پر عمل کرنے سے مشکلات پیدا ہوئی ہیں۔ مشورے کے نتیجے میں جو بھی فیصلہ ہو جائے اُسے انجام دینے کے لئے کمر کس لیا کرو اور اللہ پر توکل کرو ایسے متوکلین اللہ کو محبوب ہیں۔

اِس آیت پر غور کرنے سے ہم اسلام میں مشورے کی ماہیت اور اہمیت کو اچھی طرح جان سکتے ہیں۔ اِس میں چند بنیادی نکات ہمارے سامنے آتے ہیں:

- پیغمبر علیہ السلام کو حکم دیا گیا ہے کہ مشورہ کیا کرو۔ اگر اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر کو مشورے کا مکلف قرار دیتا ہے تو کسی عام امیر یا قائد کے بارے میں اِس حکم کا تقاضا کیا ہو گا۔ ایک ایسا شخص جسے اللہ وحی بھیجتا ہے، تمام دنیا کے لئے رہنما قرار دیتا ہے، اُمت اُس پر ایمان لاتی ہے اور اُس کی اطاعت کی مکلف قرار دی جاتی ہے؛ اگر اُسے مشورے کا حکم دیا جا رہا ہے تو کسی اور کی کیا حیثیت ہے کہ وہ اپنے آپ کو مشورے سے مستثنیٰ قرار دے۔
- مشورے کا یہ حکم اُن لوگوں کے بارے میں آیا ہے جن سے فی الواقع کچھ لغزشیں سرزد ہوئی ہیں، اُن کی اِن لغزشوں کے باوجود پیغمبر علیہ السلام کو حکم دیا جا رہا ہے کہ اِنہی کے ساتھ مشورہ کرو گے۔
- پیغمبر علیہ السلام کو کہا گیا ہے کہ عزم مشورے کے بعد کرو گے۔ ایسا نہیں ہے کہ مشورے سے قبل کوئی فیصلہ اپنے دل میں کر لو اور پھر دوسروں کو خوش کرنے کے لئے جمع کر لو اور اپنی رائے کی اصابت کے بارے میں اُن کی تائید حاصل کر لو۔
- مشورے کے نتیجے میں جو فیصلہ بر آمد ہو، چاہے وہ تمہاری ذاتی رائے کے خلاف ہو اور تمہیں اُس میں مصلحت نظر نہ آ رہی ہو؛ تو بھی کسی تردد اور خوف کے بغیر اُسے روبہ عمل لانے کے لئے کمر کس لو اور اللہ پر توکل کرو۔
- اللہ کا محبوب وہ متوکل ہے جو مشورہ کرتا ہے، مشورے سے بر آمد ہونے والے فیصلے کے نفاذ پر کمربستہ ہوتا ہے اور اپنے رب پر توکل کرتا ہے۔

افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ بعض لوگ مشورے کی ایسی تفسیر اور تعبیر پیش کرتے ہیں جو ڈکٹیٹروں اور مستبد حکمرانوں کو بہت پسند آتی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ عزم کے لفظ میں خطاب فردِ واحد کو کیا گیا ہے اور اِس سے ظاہر ہوتا ہے کہ فیصلے کا اختیار امیر کو دیا گیا ہے۔ یہ ایک نہایت کمزور تعبیر ہے، اُنہوں نے اِس بات پر غور نہیں کیا کہ عزم کا ذکر شوریٰ کے بعد کیا گیا ہے جس کا مطلب ہی یہی ہے کہ عزم اور فیصلہ شوریٰ کا نتیجہ ہونا چاہیے یعنی شوریٰ تمام فیصلوں کا مرجع ہو گی اور جو امیر یا زعیم ہے اُس کی تصمیم بھی شوریٰ کے اندر سے بر آمد ہو گی۔ اِس سورت میں شوریٰ کا ذکر عزم سے پہلے کیا گیا ہے اور سورۂ بقرہ میں اِس کی مزید وضاحت

کرتے ہوئے ایک اور ضروری پہلو اور شرط کی طرف توجہ دلائی گئی ہے اور کہا گیا ہے کہ: آخری فیصلہ طرفین کے مشورے اور رضا مندی سے ہو گا۔ جس مشورے میں طرفین کی رضامندی بطور شرط شامل نہ ہو، بلکہ ایک فریق صرف اپنی رائے ظاہر کرے جس کا تصمیم اور آخری فیصلے میں کوئی کردار نہ ہو جبکہ دوسرا فریق پہلے والے کی رائے کا سننے کی حد تک پابند تو ہو مگر فیصلہ مشاور کی رائے سے بالاتر ہو کر صرف اپنی رائے کی بنیاد پر کرنے میں آزاد ہو تو یہ استبدادی نظامات کی شوریٰ ہے نہ کہ اسلامی شوریٰ۔ یہ مبارک آیت اِس غلط تعبیر کی بیخ کنی کرتی ہے۔ اسلام تو بچے کا دودھ چھڑوانے تک کے بارے میں میاں بیوی کو ہدایت دیتا ہے کہ: آپس کے مشورے اور رضامندی سے اپنے بچے کے دودھ چھڑانے کا جو بھی فیصلہ کر لو تو تم پر کوئی الزام نہیں اور مشورے کے بغیر یا کسی ایک کی عدم رضا کی صورت میں جو بھی فیصلہ ہو وہ گناہ کا فیصلہ ہے۔ وہاں پر کہا گیا ہے کہ ماں باپ اگر کسی مصلحت کی خاطر بچے کو دودھ پلانے کا عرصہ مختصر کرنا چاہیں تو دو شرائط ملحوظ رکھتے ہوئے ایسا کر سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ وہ آپس میں مشورہ کر چکے ہوں اور دوسری یہ کہ دونوں اِس فیصلے پر راضی ہوں۔ مشورہ اور دونوں کی رضا کو شرط قرار دیا گیا ہے۔ اِس سے اسلام کی نظر میں مشورے کی حقیقت واضح ہوتی ہے، مشورے سے وہ فیصلہ بر آمد ہوتا ہے جس پر تمام متعلقین راضی اور متفق ہوتے ہیں۔ مشورہ یہ نہیں ہے کہ ایک طرف سے فقط رائے اور نقطہ نظر لے لیا جائے اور فیصلہ اپنے صوابدید پر خود ہی کر لیا جائے، یہ دوسروں کی صرف رائے جاننے کا ذریعہ نہیں ہے۔ ایسے مشورے کی کوئی قیمت نہیں ہے کہ ایک شخص دوسروں کی رائے سن لے مگر فیصلہ اُن کی موافقت اور رضا کے بغیر خود ہی کر بیٹھے بلکہ مشورہ اُسے کہتے ہیں کہ بحث اور افہام و تفہیم کے نتیجے میں طرفین کی مرضی کے اُس فیصلے پر پہنچا جائے جس پر سب راضی اور متفق ہوں۔ اگر ایک باپ کو اپنی اولاد کے دودھ چھڑانے کے بارے میں اِس بات کا مکلف قرار دیا گیا ہے کہ اپنی بیوی سے مشورہ کرے گا، اپنی صوابدید پر فیصلہ نہیں کرے گا، جو بھی فیصلہ ہو دونوں کی رضا اور مشورے سے ہو گا تو امیر کو کس طرح یہ حق حاصل ہو سکتا ہے کہ عوام کے وسائل اور اُن سے متعلق امور کا اپنی صوابدید پر دوسروں کے مشورے اور رضا کے بغیر فیصلہ کرے؟ معاشرے میں اُس کی حیثیت اور مقام کسی صورت اتنا نہیں ہے جتنا ایک باپ اور شوہر کا اپنے خاندان کے اندر ہوتا ہے۔ اسلام نے تو اُسے بجائے قیم کہہ کر بُلانے کے خلیفہ اور امین کا نام دیا ہے۔ وہ تو عوام کے امانتوں کا امین ہے اُن میں سے کسی امانت میں اپنی مرضی سے تصرف کا حق اُسے نہیں دیا گیا۔

إِن يَنصُرْكُمُ ٱللَّهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۖ وَإِن يَخْذُلْكُمْ فَمَن ذَا ٱلَّذِى يَنصُرُكُم مِّنۢ بَعْدِهِۦ ۗ وَعَلَى ٱللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ ٱلْمُؤْمِنُونَ ﴿١٦٠﴾

(۱۶۰)۔ اگر اللہ تمہاری مدد کرے تو کوئی (حریف قوت) تم پر غالب آنے والا موجود نہیں ہے، اور اگر وہ تمہیں اکیلا چھوڑ دے، تو وہ کون ہو گا جو اُس کے بعد تمہاری مدد کر سکے؟ اور مومنوں کو تو اللہ ہی پر توکل کرنا چاہیے۔

---

(۱۶۰)۔ اگر تمہارے اندر یہ اہلیت اور صلاحیت موجود ہے کہ اللہ کی مدد کے مستحق قرار پاجاؤ اور اللہ تمہاری مدد کرے تو روئے زمین پر ایسی کوئی قوت موجود نہیں ہے جو تم پر غالب آجائے۔ اور اگر یہ اہلیت و قابلیت تم میں نہ رہے اور اللہ کی مدد اور نصرت سے محروم ہو جاؤ تو پھر تم ایسی کوئی ہستی نہیں ڈھونڈ سکتے جو تمہاری مدد کر سکے۔ ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ کو اپنے لئے کافی سمجھو اور اُس پر توکل کرو اور اُس چیز سے بچتے رہو جو تمہیں اُس کی مدد سے محروم کرنے والی ہو۔

وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَن يَغُلَّ ۚ وَمَن يَغْلُلْ يَأْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۚ ثُمَّ تُوَفَّىٰ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿١٦١﴾

(۱۶۱)۔ اور کسی پیغمبر کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ (مالِ غنیمت میں) خیانت کرے اور جو کوئی خیانت کرے تو یہ خیانت کی گئی چیز روزِ قیامت (اپنے ساتھ) لائے گا۔ پھر ہر کسی کو اُس کی کمائی پوری کی پوری لوٹا دی جائے گی اور اُس پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

---

(۱۶۱)۔ چاہیے تو یہ تھا کہ تمہیں اپنے پیغمبر پر پورا پورا بھروسہ ہوتا اور اِس اندیشے اور خوف میں مبتلا نہ ہو جاتے کہ اگر خود ہی آگے بڑھ بڑھ کر غنائم اکٹھے کرنے میں نہیں لگ جاؤ گے تو اپنے حصے سے محروم ہو جاؤ گے اور اُس کی تقسیم میں کوئی خیانت ہو جائے گی۔ تمہارا یہی خوف ہی تو تھا جس نے تمہیں غنائم اکٹھے کرنے پر لگا دیا، اس لئے تم نے مورچے بھی چھوڑ دیئے اور بھاگتے ہوئے دشمن کا تعاقب بھی۔ اللہ تعالیٰ جنہیں پیغمبری کے لئے چنُتا ہے اُن کی شان سے یہ بات کہیں بعید سمجھ لیں کہ وہ خیانت پر راضی ہو جائیں گے لیکن اگر کوئی اور بھی خیانت کر بیٹھے تو اُس کے لئے بھی قیامت کے دن حساب کتاب موجود ہے۔ قیامت کے دن وہ خیانت کا یہ بار اپنے کندھوں پر اُٹھائے ہوئے اللہ اور تمام لوگوں کے سامنے آحاضر ہو گا اور نہ صرف یہ کہ وہ اپنی خیانت کی سزا پائے گا بلکہ آپ کو بھی اپنا حصہ واپس کیا جائے گا، کسی پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا۔

أَفَمَنِ ٱتَّبَعَ رِضْوَٰنَ ٱللَّهِ كَمَنۢ بَآءَ بِسَخَطٍ مِّنَ ٱللَّهِ وَمَأْوَىٰهُ جَهَنَّمُ ۚ وَبِئْسَ ٱلْمَصِيرُ ﴿١٦٢﴾ هُمْ دَرَجَٰتٌ عِندَ ٱللَّهِ ۗ وَٱللَّهُ بَصِيرٌۢ بِمَا يَعْمَلُونَ ﴿١٦٣﴾

(١٦٢)۔ کیا وہ جو اللہ کی رضا کا مشتاق ہے اُس کی مانند ہو سکتا ہے جو اللہ کے قہر و غضب کا شکار ہے اور اُس کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔ اور وہ لوٹ آنے کی کتنی بُری جگہ ہے ؟ (١٦٣) اللہ کے نزدیک اِن کے مختلف درجے ہیں اور اللہ اِن کے اعمال کا ناظر ہے۔

(١٦٢۔١٦٣)۔ غنائم میں خیانت وہ شخص کرتا ہے جو الٰہی غضب کے قابل اور دوزخ کا مستحق ہوتا ہے، یہ کام اُن لوگوں کی شان سے گرا ہوا ہے جو اللہ کی رضا کے مشتاق ہوتے ہیں۔ اللہ کے ہاں اِن دونوں کے علیٰحدہ علیٰحدہ درجات ہیں اور اللہ خود اِن کے کیے کرائے کا شاہد ہے۔ یہ مخلص مجاہد جن کو تم دیکھ رہے ہو کہ اللہ کی رضا کے لئے مشکلات برداشت کر رہے ہیں اور قربانیاں دے رہے ہیں یہ کس طرح خیانت کے مرتکب ہوں گے ؟ کیوں اِن پر بدگمانی کرتے ہو ؟ اِسی بدگمانی کی وجہ سے تم نے خود اپنے ہاتھوں سے غنائم اکٹھے کرنے کی ہوس کی اور شکست کا سبب بنے۔

لَقَدْ مَنَّ ٱللَّهُ عَلَى ٱلْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ يَتْلُوا۟ عَلَيْهِمْ ءَايَٰتِهِۦ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ ٱلْكِتَٰبَ وَٱلْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا۟ مِن قَبْلُ لَفِى ضَلَٰلٍ مُّبِينٍ ﴿١٦٤﴾

(١٦٤)۔ اللہ نے مومنوں پر احسان کیا کہ اِن میں خود اِن کے اندر سے ایسا پیغمبر مبعوث کیا جو اِنہیں اُس کے آیات پڑھ کر سناتا ہے، اِن کی تربیت کرتا ہے اور اِن کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے حالانکہ اِس سے پہلے یہ کھلی گمراہی میں تھے۔

---

(١٦٤)۔ پیغمبر تو وہ ہستی ہے جس کے ذریعے تم ضلالت اور گمراہی سے نکال لئے گئے۔ آپؐ کی بعثت تو تمہارے اوپر اللہ کی ایک زبردست نوازش تھی، آپؐ ہی نے تم کو حلال و حرام کی تعلیم دی، تمہاری تربیت کی، کتاب و حکمت سکھائی، غنائم میں غلول (خیانت) کو حرام تو خود اُسی نے ٹھہرایا ورنہ اِس سے پہلے تو یہ طاقتور کمانڈروں کا حق سمجھا جاتا تھا اور یا اُس کا جس کے ہاتھ لگ جاتا تھا، کمزور تو ہمیشہ اِس سے محروم رہے۔ خود اِسی پیغمبرؐ نے تمہیں سکھایا کہ غنائم جنگ کے اختتام پر اکٹھے کئے جائیں گے اور تمام مجاہدین

کے درمیان مساویانہ تقسیم کئے جائیں گے۔ یہ سب کچھ جانتے ہوئے تم کیونکر پیغمبر علیہ السلام کے بارے میں غلط گمانوں کا شکار ہوئے۔

أَوَلَمَّآ أَصَـٰبَتۡكُم مُّصِيبَةٌ قَدۡ أَصَبۡتُم مِّثۡلَيۡهَا قُلۡتُمۡ أَنَّىٰ هَـٰذَا ۖ قُلۡ هُوَ مِنۡ عِندِ أَنفُسِكُمۡ ۗ إِنَّ ٱللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيرٌ ﴿١٦٥﴾

(۱۶۵)۔ کیا جب تم پر ایسی مصیبت آپڑی جس کی دگنی تم اُس سے قبل (دشمن کو) پہنچا چکے تھے تو تم کہنے لگے: یہ کہاں سے آئی؟! اِنہیں کہو: یہ خود تمہاری اپنی طرف سے آئی ہے، یقیناً اللہ ہر چیز پر خوب قادر ہے۔

(۱۶۵)۔ جب غزوۂ اُحد میں تم نے نقصانات اُٹھائے حالانکہ اِس سے پہلے غزوۂ بدر میں تم دشمن کو اِس سے دگنا نقصان پہنچا چکے تھے تو کہنے لگے یہ مصیبت کہاں سے نازل ہوگئی؟ ہمیں نقصان کیوں کر ہوا؟ اللہ نے تو اپنے دین اور مومنوں کی بالادستی کا وعدہ کیا تھا یہ کیوں ہم اُس وعدے کے برعکس حالات سے دوچار ہوئے؟ تو اِن کو کہو کہ: اللہ کا فرمانا سچ ہے، اُس کا وعدہ سچا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ شکست کی اصل وجہ یہ نہیں تھی کہ تمہاری تعداد تھوڑی تھی اور اتنی محدود تعداد میں مومنوں کو غالب کرنے پر اللہ قادر نہیں تھا بلکہ شکست کے اسباب تم نے خود برابر کر لئے تھے اِس لئے کہ تم اللہ کے وعدے اور فتح کے لئے لازمی شرائط پر پورے ہی نہیں اُترے۔ اللہ کے وعدوں کے اپنے شروط ہوتے ہیں؛ پس وہ صرف اُسی جگہ تحقق پاتے ہیں جہاں وہ شرائط پائے جائیں۔

وَمَآ أَصَـٰبَكُمۡ يَوۡمَ ٱلۡتَقَى ٱلۡجَمۡعَانِ فَبِإِذۡنِ ٱللَّهِ وَلِيَعۡلَمَ ٱلۡمُؤۡمِنِينَ ﴿١٦٦﴾ وَلِيَعۡلَمَ ٱلَّذِينَ نَافَقُواْ ۚ وَقِيلَ لَهُمۡ تَعَالَوۡاْ قَـٰتِلُواْ فِى سَبِيلِ ٱللَّهِ أَوِ ٱدۡفَعُواْ ۖ قَالُواْ لَوۡ نَعۡلَمُ قِتَالاً لَّٱتَّبَعۡنَـٰكُمۡ ۗ هُمۡ لِلۡكُفۡرِ يَوۡمَئِذٍ أَقۡرَبُ مِنۡهُمۡ لِلۡإِيمَـٰنِ ۚ يَقُولُونَ بِأَفۡوَٰهِهِم مَّا لَيۡسَ فِى قُلُوبِهِمۡ ۗ وَٱللَّهُ أَعۡلَمُ بِمَا يَكۡتُمُونَ ﴿١٦٧﴾

(۱۶۶)۔ اور دونوں فوجوں کے مڈ بھیڑ کے دن جو کچھ (مصیبت) تمہیں پہنچی وہ تو اللہ کے حکم سے اور اِس غرض کے لئے تھی کہ مومنوں کو ممیز کرے۔ (۱۶۷)۔ اور اِس لئے بھی کہ جو لوگ منافقت کرتے تھے وہ بھی ممیز ہو جائیں اور جب اُنہیں کہا گیا کہ آؤ اللہ کی راہ میں لڑو یا دفاع کرو! تو کہنے لگے کہ: اگر جنگ ہونے کا یقین ہوتا تو لازماً تمہاری متابعت کر لیتے۔ اُس دن یہ ایمان کی نسبت کفر کے کہیں زیادہ قریب تھے۔ منہ سے وہ کچھ کہہ رہے تھے جو اِن کے دلوں میں نہیں تھا اور اللہ وہ سب کچھ خوب جانتا ہے جسے یہ چھپاتے ہیں۔

(۱۶۶۔۱۶۷)۔ اِس شکست اور نقصانات کا فیصلہ اللہ نے صادر کیا تھا، اور عوامل تم نے خود مہیا کئے تھے۔ سب کچھ اللہ کے سنن کے مطابق واقع ہوتا ہے، اللہ کی مرضی تھی کہ اِس عظیم ابتلاء کی آڑ میں سچے مومنین اور منافقین کے درمیان فرق واضح کر دے اور وہ منافقین کھل کر ظاہر ہو جائیں جو نہ اللہ کی راہ میں جنگ پر تیار تھے اور نہ اپنے شہر مدینے کے دفاع کے لئے۔ اِن کا کھل جانا ضروری تھا تا کہ مستقبل میں نہ اللہ کی راہ میں جنگ کے لئے اِن پر انحصار کیا جائے اور نہ مدینے کے دفاع کے لئے۔ تم نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ جہاد اور دفاع کے بارے میں منافقین کا جواب کیا تھا؟ انکار ہی تھا نا! مگر انکار بھی ایسے الفاظ میں جو اُن کے کردار کی طرح ذومعنی تھے۔ بظاہر کچھ اور معنی رکھنے والے اور حقیقت میں کچھ اور۔ بظاہر تو وہ یہ کہہ رہے تھے کہ: اگر ہمیں علم ہوتا کہ واقعی جنگ ہو کر رہے گی تو لازماً تمہارے ساتھ مل کر ہم بھی جنگ میں حصہ لے لیتے۔ اِن الفاظ کی ایک دوسری توجیہہ بھی کی گئی ہے مگر یہ پہلی والی زیادہ بہتر ہے اور وہ یہ کہ: "اگر ہم لڑنا جانتے تو ہمارے مشوروں کو تم نے اہمیت دی ہوتی اور مدینے کے اندر رہ کر شہر کا دفاع کرتے"۔ مگر تم تو اُس پر راضی ہی نہیں ہوئے اگر ہو گئے ہوتے تو ہم بھی تمہارے شانہ بشانہ کھڑے ہوتے۔

اِن کے الفاظ بظاہر اچھے لگتے ہیں اور سادہ لوح لوگ اُس سے مطمئن بھی کئے جا سکتے ہیں، مگر اللہ تعالیٰ سے تو اِن کے دلوں کا وہ نفاق بھی مخفی نہیں ہے جسے یہ چھپاتے ہیں۔

یہ بات بھی مدِ نظر رکھیں کہ یہاں اِن منافقین کا لڑائی میں حصہ نہ لینے سے یہ مراد لی گئی ہے کہ یہ حرکت کر کے وہ بجائے ایمان کے کفر کے زیادہ قریب تھے۔ یہ بھی مدِ نظر رکھیں کہ دراصل اِن منافقین نے اِس کے علاوہ کوئی جرم نہیں کیا تھا کہ مسلمانوں کی شوریٰ کے فیصلے کی مخالفت کی تھی اگر چہ یہ فیصلہ پیغمبر علیہ السلام کی اپنی رائے کے بھی خلاف کیا گیا فیصلہ تھا۔ اِس سے ہم اسلام میں شوریٰ کی اہمیت کا اندازہ کر سکتے ہیں۔

ٱلَّذِينَ قَالُواْ لِإِخۡوَٰنِهِمۡ وَقَعَدُواْ لَوۡ أَطَاعُونَا مَا قُتِلُواْۗ قُلۡ فَٱدۡرَءُواْ عَنۡ أَنفُسِكُمُ ٱلۡمَوۡتَ إِن كُنتُمۡ صَٰدِقِينَ ﴿١٦٨﴾

(۱۶۸)۔ وہ جنہوں نے اپنے بھائیوں سے کہا، حالانکہ خود بھی بیٹھے رہے تھے، کہ: اگر ہماری بات مانتے؛ تو نہ مارے جاتے، اُنہیں کہو: اپنی موت ٹال دو اگر سچے ہو۔

---

(۱۶۸)۔ یہ وہ منافقین ہیں جنہوں نے خود بھی جنگ میں حصہ نہیں لیا اور دوسروں کو بھی روکتے رہے۔ اور جنگ کے بعد تو کہتے رہے: کہ یہ لوگ اگر ہماری بات مانتے اور جنگ میں حصہ لینے سے گریز کرتے تو موت اور زخمی ہونے سے بچ گئے ہوتے۔ اِن کو ایک مختصر اور قاطع جواب دیا گیا ہے کہ: اگر تمہاری یہ منافقانہ تدابیر واقعتاً کسی کی موت ٹال سکتی ہیں تو پہلے اپنی موت کا کوئی چارہ کر لو۔ اگر اپنی منافقانہ تدبیروں سے دوسروں کی موت ٹال سکتے ہو تو کوئی ایسی تدبیر بھی کر لو جو تمہاری اپنی موت کو ہمیشہ کے لئے ٹال دے۔

وَلَا تَحۡسَبَنَّ ٱلَّذِينَ قُتِلُواْ فِي سَبِيلِ ٱللَّهِ أَمۡوَٰتَۢاۚ بَلۡ أَحۡيَآءٌ عِندَ رَبِّهِمۡ يُرۡزَقُونَ ﴿١٦٩﴾ فَرِحِينَ بِمَآ ءَاتَىٰهُمُ ٱللَّهُ مِن فَضۡلِهِۦ وَيَسۡتَبۡشِرُونَ بِٱلَّذِينَ لَمۡ يَلۡحَقُواْ بِهِم مِّنۡ خَلۡفِهِمۡ أَلَّا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُونَ ﴿١٧٠﴾ ۞ يَسۡتَبۡشِرُونَ بِنِعۡمَةٍ مِّنَ ٱللَّهِ وَفَضۡلٍ وَأَنَّ ٱللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجۡرَ ٱلۡمُؤۡمِنِينَ ﴿١٧١﴾

(۱۶۹)۔ اور اُنہیں مردہ نہ سمجھو جو اللہ کی راہ میں شہید ہوئے، وہ زندہ ہیں اور اللہ کے ہاں سے اُنہیں روزی دی جا رہی ہے۔ (۱۷۰) اللہ نے اپنے فضل سے جو کچھ اُنہیں دے رکھا ہے اُس پر خوش ہو رہے ہیں اور جو اِن کے پیچھے ہیں، ابھی اِن سے نہیں آن ملے اُن لوگوں کے لئے بھی اِس وجہ سے خوشی منا رہے ہیں کہ نہ اُنہیں کوئی دکھ ہو گا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ (۱۷۱) اللہ کی نعمتوں اور فضل سے خوش ہو رہے ہوں گے اور اِس پر بھی کہ اللہ مومنوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔

(۱۶۹۔۱۷۱)۔ اِن آیات کے اساسی مطالب درج ذیل ہیں:

- اللہ کی راہ کے شہیدوں کو مردہ نہ سمجھو۔
- وہ زندہ ہیں مگر تم اُن کی زندگی کی ماہیت نہیں سمجھتے۔
- وہ نہ صرف زندہ ہیں بلکہ اللہ اپنے پاس سے اُن کو روزی بھی دے رہا ہے۔

- وہ اپنی موجودہ حالت اور اللہ جل شانہ کے اُس فضل پر جو اُن کے شاملِ حال ہوا ہے، راضی ہیں اور خوش ہو رہے ہیں۔
- اپنے اُن ساتھیوں کے مستقبل کے بارے میں بھی مطمئن ہیں اور خوش ہو رہے ہیں جو ابھی اُن کے ساتھ نہیں مل پائے ہیں؛ اِس بنیاد پر کہ اُن کو پتہ چل گیا ہے کہ ایمان کی راہ میں نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔
- اللہ کی نعمتوں، فضل اور اِس بات پر کہ اللہ مومنوں کا اجر ضائع نہیں کرتا؛ خوش ہو رہے ہیں۔

ٱلَّذِينَ ٱسْتَجَابُوا۟ لِلَّهِ وَٱلرَّسُولِ مِنۢ بَعْدِ مَآ أَصَابَهُمُ ٱلْقَرْحُ ۚ لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا۟ مِنْهُمْ وَٱتَّقَوْا۟ أَجْرٌ عَظِيمٌ ﴿١٧٢﴾

(۱۷۲)۔ وہ جنہوں نے اللہ اور اُس کے رسول کی آواز پر اِس حال میں لبیک کہا کہ وہ زخم زخم ہو رہے تھے، اُن میں سے جنہوں نے احسان اور تقویٰ کی راہ اپنائی؛ اُن کے لئے اجرِ عظیم ہے۔

(۱۷۲)۔ جب قریش کی فوج نے اُحد سے نکل کر مکہ کی راہ لی، تو ابھی چند ہی میل آگے گئے ہوں گے کہ اپنی اِس غلطی پر متوجہ ہو گئے کہ وہ دشمن (مسلمانوں) کو شدید نقصان پہنچا چکے تھے اور اُن میں مقابلے پر ٹھہرنے کی تاب نہیں رہی تھی یوں مدینے پر حملہ کرنے کا یہ ایک نادر موقع تھا اور یہ کہ بجائے کوچ کرنے کے اُن کو مدینے پر حملہ کرنا چاہیے تھا۔ بعض کی رائے تو یہ تھی کہ اب یہاں سے مڑ کر مدینے پر حملہ کر دیا جائے مگر بخت اور ہمت نے یاوری نہ کی اور اُنہوں نے مکہ کی طرف اپنا سفر جاری رکھا۔ پیغمبر علیہ السلام نے بھی اگلے دن صبح حکم جاری کیا کہ کل کی لڑائی میں حصہ لینے والے مجاہدین تیار ہو کر حمراء الاسد کی طرف نکل پڑیں۔ پس یہی ہوا؛ نہ صرف صحتمند بلکہ گزشتہ روز کی لڑائی میں زخمی ہونے والے اور تھکے ماندے مجاہد بھی اپنے آقا کے حکم پر تیار ہو کر چل پڑے۔ اِن میں سے متعدد کے زخموں سے ابھی تک خون رس رہا تھا، بعض ایسے تھے کہ اپنے پیروں پر چل کر جانے کے بھی قابل نہیں تھے۔ دو بھائی ایسے بھی تھے جن میں سے ایک زیادہ اور دوسرا کم زخمی تھا، اُن میں سے ایک دوسرے کو کمر پر اُٹھا کر حمراء الاسد کی طرف چل پڑا۔ یہ مقام مدینے سے آٹھ نو میل کے فاصلے پر تھا، مگر وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ دشمن علاقے سے نکل چکا ہے اور مکے کی طرف سفر کو دوام دیئے ہوئے ہے۔

اِس آیت میں اِن زخمی غازیوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، اِس حال میں کہ اُن کے پاس ٹھہر جانے کا شرعی عذر موجود تھا، جانے سے مستثنیٰ تھے مگر اُنہوں نے اللہ اور اُس کے پیغمبر کے بلاوے پر لبیک کہا اور زخمی حالت میں جنگ کے لئے تیار ہوئے۔ اجرِ عظیم اُن لوگوں کے حصے میں آتا ہے جو احسان اور تقویٰ پر عمل پیرا ہوں۔ یہاں احسان کرنے والوں سے وہ لوگ

مراد ہیں جنہوں نے عذرِ شرعی کے ہوتے ہوئے بھی اللہ اور پیغمبر کے بلاوے پر لبیک کہا اور تقویٰ کرنے والوں سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے زخموں کے سبب نہ تو جزع فزع کی اور نہ کوئی شکوہ و شکایت یعنی اُنہوں نے ہر اُس کام سے اجتناب کیا جو اُن کے اجر کو نقصان پہنچانے کا سبب بنتا۔ بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں جو یا تو جزع فزع اور شکوہ شکایت سے اپنا اجر ضائع کر دیتے ہیں اور یا اپنے زخموں اور قربانیوں کے بدلے امتیازات کا مطالبہ اور خواہش کر کے اللہ کے ہاں اپنا اجر دریابُرد کر دیتے ہیں۔

وہ لوگ جو اللہ کی راہ میں زخمی ہو جانے کے بعد اللہ اور پیغمبر کے حکم کی تعمیل میں جہاد پر تیار ہوئے اور زخم اُن کو اللہ کی راہ میں جہاد سے روک نہ سکے تو اُن کو اجرِ عظیم ملے گا۔ مگر احسان اور تقویٰ کی شرط پر؛ یعنی یہ کہ زخمی ہو جانے کے بعد اُنہوں نے نہ تو کسی پر احسان جتایا ہو نہ کسی سے کسی اختیار کے حصول اور تعریف و توصیف کی توقعات وابستہ کیں ہوں، نہ کسی سے بدلے کی امیدیں رکھی ہوں اور نہ اِس حوالے سے دوسروں کو اذیت (طعن و تشنیع) دینے والی بات یا حرکت کی ہو۔ یعنی جو جزع فزع اور شکوہ شکایت سے بھی بچ کر رہے ہوں اور اُنہوں نے بے صبری کا کوئی مظاہرہ بھی نہ کیا ہو۔ خیال رکھیں کہ اللہ کی راہ میں زخمی ہونے کے بعد کہیں تم لوگ عدم احسان اور عدم تقویٰ کے نتیجے میں اجرِ عظیم سے محروم نہ رہ جانا۔

ٱلَّذِينَ قَالَ لَهُمُ ٱلنَّاسُ إِنَّ ٱلنَّاسَ قَدْ جَمَعُوا۟ لَكُمْ فَٱخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ إِيمَـٰنًا وَقَالُوا۟ حَسْبُنَا ٱللَّهُ وَنِعْمَ ٱلْوَكِيلُ ﴿١٧٣﴾ فَٱنقَلَبُوا۟ بِنِعْمَةٍ مِّنَ ٱللَّهِ وَفَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوٓءٌ وَٱتَّبَعُوا۟ رِضْوَٰنَ ٱللَّهِ ۗ وَٱللَّهُ ذُو فَضْلٍ عَظِيمٍ ﴿١٧٤﴾ إِنَّمَا ذَٰلِكُمُ ٱلشَّيْطَـٰنُ يُخَوِّفُ أَوْلِيَآءَهُۥ فَلَا تَخَافُوهُمْ وَخَافُونِ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ﴿١٧٥﴾

(۱۷۳)۔ وہ جنہیں لوگوں نے کہا کہ: دشمن تمہارے خلاف جمع ہو گئے ہیں تمہیں اُن سے ڈرنا چاہیے تو اِس بات سے اُن کے ایمان اور بڑھ گئے اور کہتے تھے: اللہ ہمارے لئے کافی ہے کتنا بہتر ہے وہ کارساز۔ (۱۷۴) تو وہ اللہ کی نعمتیں اور نوازشیں لے کر لوٹے اِس حال میں کہ اُن کا بال بیکا نہ ہوا اور وہ اللہ کی رضا کے طالب تھے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔ (۱۷۵) یہ تو فقط شیطان تھا جو اپنے دوستوں کو ڈرا رہا تھا، تو اِن سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو اگر تم مومن ہو۔

(۱۷۳۔۱۷۵)۔ ان آیاتِ مبارکہ میں مندرجہ ذیل اہم اسباق دیئے گئے ہیں:

- اِن لوگوں کی ایک اور صفت یہ ہے کہ وہ دشمن کی کثرت سے کبھی نہیں گھبرائے، جب بھی اُنہیں کہا گیا ہے کہ دشمن بہت بڑی تعداد میں تمہارے خلاف جمع ہو گیا ہے، اتنی بڑی تعداد کہ اُن سے ڈرنا چاہیے تو یہ بات اُنہیں

خوفزدہ کرنے کی بجائے ہمیشہ اُن کے ایمان کی مزید مضبوطی کا باعث بنی۔ ایسے موقع پر اُن کا جواب تھا کہ: ہمارے لئے اللہ کافی ہے اور وہ سب سے بہتر دوست اور کارساز ہے۔

- اِس موقف اور دعوے کے نتیجے میں وہ اللہ کے امتحان میں کامیاب قرار دیئے گئے، اللہ کی خوشنودی حاصل کی، مزید زحمت اور تکلیف کے بغیر مفت میں ایک عظیم فتح پائی اور اللہ کی نعمتیں اور نوازشیں اُن کے حصے میں آئیں۔
- جو لوگ مسلمانوں کو دشمن کی طاقت سے ڈراتے ہیں وہ قرآن کی نگاہ میں "شیطان" ہیں۔ اِس شیطان کا یہ پریشان کن پروپیگنڈا صرف اُن لوگوں پر اثر دکھاتا ہے جن کی اُس کے ساتھ دوستی ہوتی ہے مگر جن لوگوں نے شیطان کے ساتھ اپنا ہر تعلق منقطع کر رکھا ہوتا ہے اُن پر اُس کی ایسی تبلیغات کوئی اثر نہیں کرتیں۔
- یہ اللہ کا حکم بھی ہے اور اللہ پر ایمان کا تقاضا بھی کہ ہم دشمن کے زور و شور سے نہ ڈریں اور صرف ایک اللہ کا خوف رکھیں۔

جنگ اُحد کے اختتام پر، قریش نے مکے کے طرف کوچ کرنے سے قبل اونچی آواز میں مسلمانوں کو اگلے سال پھر بدر کے میدان میں آمنے سامنے ہونے اور اپنی تلواریں آزمانے کی دعوت دی تھی۔ مسلمانوں نے یہ چیلنج قبول کر لیا تھا مگر جب اِس وعدے کا وقت قریب آ لگا تو قریش کو اپنے بازوؤں میں مسلمانوں کے ساتھ لڑنے کی طاقت نظر نہ آئی۔ وہ کوشش کرنے لگے کہ اِس لڑائی کو کسی ایسے طریقے سے ٹال دیں کہ پہلو تہی کا الزام بھی مسلمانوں پر آئے تا کہ اُن کے لئے طعنہ نہ بنے اور باقی عرب یہ گمان کر بیٹھیں کہ گویا مسلمانوں نے ڈر کر اپنا وعدہ توڑ ڈالا۔ اِس کام کے لئے اُنھوں نے مدینہ میں اپنے جاسوسوں کے ذریعے یہ افواہ پھیلانا شروع کی کہ قریش نے اِس لڑائی کے لئے ایک کثیر فوج اور وسائل جمع کر لئے ہیں، اتنی زیادہ کہ مسلمان اُن کے آگے ٹھہر نہیں سکیں گے۔ مگر پیغمبر علیہ السلام اپنے جانباز صحابہ کے ساتھ وعدے کے دن سے قبل مقررہ مقام پر پہنچ گئے اور وہاں پڑاؤ ڈال کر قریش کا انتظار کرنے لگے۔ تین دن وہاں گزارنے کے بعد جب معلوم ہو گیا کہ قریش اپنے وعدے سے پھر گئے ہیں تو واپس مدینہ لوٹ آئے۔ یہ لڑائی کے بغیر فتح تھی جس کے اثرات کسی معرکے میں جیت کر آنے سے کسی صورت کم نہ تھے۔ اوپر دی گئی آیات میں اِسی کا ذکر چھیڑا گیا ہے۔

وَلَا يَحْزُنكَ ٱلَّذِينَ يُسَـٰرِعُونَ فِى ٱلْكُفْرِ ۚ إِنَّهُمْ لَن يَضُرُّوا۟ ٱللَّهَ شَيْـًٔا ۗ يُرِيدُ ٱللَّهُ أَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِى ٱلْـَٔاخِرَةِ ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿١٧٦﴾ إِنَّ ٱلَّذِينَ ٱشْتَرَوُا۟ ٱلْكُفْرَ بِٱلْإِيمَـٰنِ لَن يَضُرُّوا۟ ٱللَّهَ شَيْـًٔا وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿١٧٧﴾

---

(۱۷۶)۔ اور جو لوگ کفر میں آگے بڑھنے میں سبقت کر رہے ہیں وہ تمہیں غمزدہ نہ کرنے پائیں، وہ اللہ کو کبھی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ اللہ اُن کو آخرت کی ہر بھلائی سے محروم کرنا چاہتا ہے اور اُن کے لئے بڑا عذاب تیار ہے۔ (۱۷۷) یقیناً جنہوں نے ایمان کی قیمت پر کفر خرید لیا، وہ اللہ کا کچھ نقصان نہ کر سکیں گے اور اُن کے لئے دردناک عذاب ہے۔

(۱۷۶۔۱۷۷)۔ یہاں منافقین اور اُن کے منافقانہ تگ و دو کے بارے میں بتایا جارہا ہے کہ اِن کی کوئی پرواہ نہ کرو۔ یہ اللہ کو، اُس کے دین کو، اور مومنوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ یہ کافروں کا ساتھ دینے میں جو سرگرمی دکھا رہے ہیں اور دنیوی اغراض کے لئے اپنا ایمان کفر کے عوض بیچ رہے ہیں تو اِس طرح یہ اپنے آپ کو نقصان پہنچا رہے ہیں اور اپنے علاوہ کسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ اللہ اِن کو ڈھیل دے رہا ہے، وہ چاہتا ہے کہ آخرت کی ہر بھلائی سے اِن کو محروم کر دے اور یہی قلیل اور ذلیل قیمت جو یہ ایمان کے بدلے وصول کر رہے ہیں؛ یہی اِن کے ایمان کی کل قیمت قرار پائے اور آخرت میں اِن کو کچھ نہ ملے۔ اگرچہ اِنہوں نے اپنے اِس سودے سے بڑی اُمیدیں وابستہ کی ہوں گے اور بڑے رنگین خواب دیکھ رہے ہوں گے مگر جانتے نہیں ہیں کہ ایک بڑا دردناک عذاب اِن کا انتظار کر رہا ہے۔

وَلَا يَحۡسَبَنَّ ٱلَّذِينَ كَفَرُوٓاْ أَنَّمَا نُمۡلِي لَهُمۡ خَيۡرٌ لِّأَنفُسِهِمۡۚ إِنَّمَا نُمۡلِي لَهُمۡ لِيَزۡدَادُوٓاْ إِثۡمٗاۚ وَلَهُمۡ عَذَابٌ مُّهِينٌ ﴿١٧٨﴾

(۱۷۸) اور کافر یہ گمان نہ رکھیں کہ ہماری طرف سے مہلت دینا اِن کے فائدے میں ہے۔ ہم تو اِن کو اِس لئے مہلت دے رہے ہیں کہ یہ اور زیادہ گناہوں کے مرتکب ہو جائیں اور اِن کے حصے میں ذلیل کرنے والا عذاب آئے۔

---

(۱۷۸)۔ بہت سارے لوگوں کے لئے اِس بات کو سمجھنا ایک معمہ ہوتا ہے کہ کس مصلحت کے تحت اللہ کفر کی طاقتوں کو مواقع اور مہلت دیتا ہے۔ کبھی اُنہیں مسلمانوں پر بالادستی کا موقع دے دیتا ہے، کبھی اُنہیں مسلمان ممالک پر مسلط ہونے اور مسلمانوں کو عذاب دینے کے امکانات عطا کر دیتا ہے؛ نہ معلوم اِس میں کونسی الٰہی حکمت مضمر ہے؟ اِس آیت میں اِسی سوال کا جواب دیا گیا ہے کہ: نہ تم یہ گمان کرو کہ کفر کی طاقتوں کو مہلت اور فرصت دینا اُن کے مفاد میں ہے اور نہ ہی وہ اِس غلط فہمی میں رہیں کہ یہ وقتی بالادستی اُن کے فائدے کے لئے ہے بلکہ اِس مہلت سے اللہ تعالیٰ اُن کی اصل حقیقت اچھی طرح بے نقاب کرنا چاہتا ہے۔ تاکہ یہ مہلت اُنہیں ظلم و فساد کی اُس انتہا تک لے جانے کا باعث بن جائے جو اللہ کی سنت کے مطابق اُن کی مکمل تباہی

کے لئے ضروری ہے۔ جب تک ایک منحرف اور مفسد ملت اُس انتہا تک نہیں پہنچتی تب تک اللہ تعالیٰ اُس کے استیصال اور ہلاکت کا آخری فیصلہ صادر نہیں کرتا۔ اگر اللہ تعالیٰ نے روسیوں کو افغانستان پر قبضے کی قدرت نہ دی ہوتی تو کون جان پاتا کہ کمیونزم کیا ہے، کمیونسٹ کتنے بے رحم ہوتے ہیں، ایمان سے خالی دل کتنے سخت اور بے مہر ہوتے ہیں، دین سے برگشتہ ہو کر آدمی کتنا ذلیل اور حقیر ہو جاتا ہے اور دوسروں کے لئے اپنی قوم اور عوام کے خلاف کیا کچھ کرنے پر تیار ہو جاتا ہے۔ افغان قوم اِس کا ادراک کیسے کرتی کہ کمیونسٹوں کے شعار کے کیا معنی ہیں، مزدور کی حکومت سے کیا مراد ہے، روٹی کپڑا اور مکان کے دل بہلانے والے نعروں سے اِن کا کیا مقصد ہے۔ تو کیا آپ نے ملاحظہ نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ قدرت درحقیقت سوویت یونین کے زوال کی الٰہی تدبیر تھی؟ اِسی طرح اگر امریکی عراق اور افغانستان پر قبضہ کرنے پر قادر نہ ہو گئے ہوتے، باگرام، ابوغریب اور گوانتانامو کے جہنم زاروں میں مظلوم مسلمانوں کی قید وبند پر قادر نہ ہوئے ہوتے تو عراقی، افغان اور دنیا والے کیسے جان پاتے کہ امریکی کتنے ذلیل، رذیل اور بے رحم ہیں؟ کیسے اُن کو پتہ چلتا کہ امریکیوں کی جمہوریت، آزادی اور بشری حقوق کا معنٰی وہی تھا جس کی حقیقت افغانستان میں، عراق میں اور اُن تمام جنگی کیمپوں میں، ہاتھ پیر بندھے قیدیوں کے ساتھ اُن کے وحشیانہ سلوک میں ظاہر ہوئی؟ سچ ہے کہ اِس مہلت اور فرصت میں الٰہی حکمت یہی ہے کہ: لیزدادو اثماً: تاکہ گناہوں میں مزید آگے بڑھتے جائیں اور آخر میں ذلت اور حقارت کے مستحق ٹھہریں۔

مَّا كَانَ ٱللَّهُ لِيَذَرَ ٱلْمُؤْمِنِينَ عَلَىٰ مَآ أَنتُمْ عَلَيْهِ حَتَّىٰ يَمِيزَ ٱلْخَبِيثَ مِنَ ٱلطَّيِّبِ ۗ وَمَا كَانَ ٱللَّهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى ٱلْغَيْبِ وَلَٰكِنَّ ٱللَّهَ يَجْتَبِى مِن رُّسُلِهِۦ مَن يَشَآءُ ۖ فَـَٔامِنُوا۟ بِٱللَّهِ وَرُسُلِهِۦ ۚ وَإِن تُؤْمِنُوا۟ وَتَتَّقُوا۟ فَلَكُمْ أَجْرٌ عَظِيمٌ ﴿١٧٩﴾

(۱۷۹)۔ اللہ تعالیٰ ایسا نہیں ہے کہ مومنوں کو پاک اور ناپاک میں علیٰحدہ کئے (بانٹے) بغیر تمہیں اِسی طرح تمہاری موجودہ حالت پر چھوڑ دے اور اللہ اِس طرح (کا یہ طریقہ) بھی نہیں ہے کہ تمہیں غیب پر خبردار کرے، بلکہ اللہ پیغمبروں میں سے جسے چاہے چن لیتا ہے، پس تم اللہ اور اُس کے پیغمبروں پر ایمان لے آؤ، تو اگر تم ایمان لائے اور تقویٰ اختیار کیا تو تمہارے لئے عظیم اجر ہے۔

---

(۱۷۹)۔ یہ ایک ثابت اور دائمی الٰہیٰ سنت ہے کہ حوادث کے اونچ نیچ میں وہ پاک کو ناپاک سے الگ کر دیتا ہے۔ پاک کو ناپاک سے علیٰحدہ کرنے کے بارے میں اللہ کی سنت ہرگز یہ نہیں ہے کہ کسی کو غیب پر خبردار کر دے اور اُسے کہہ دے کہ کون پاک ہے اور

کون ناپاک؛ اللہ کے علاوہ کوئی غیب نہیں جانتا۔ اِن کے الگ الگ کرنے کا الٰہی طریقہ یہ ہے کہ وہ اپنا پیغمبر بھیجتا ہے، بعض لوگ پیغمبر پر ایمان لے آتے ہیں اور پاک ہو کر ناپاکوں سے علیٰحدہ ہو جاتے ہیں جبکہ بعض دوسرے اپنی پُرانی ناپاکی میں غرق رہ جاتے ہیں۔ پیغمبر کی بعثت طیب اور خبیث اور پاک وناپاک میں تفریق کا ذریعہ ہے اور یہی الٰہی سنت ہے۔

اگرچہ اِس آیت کا مطلب نہایت واضح ہے مگر افسوس ہے کہ ٹیڑھے دل والوں نے اِس آیت کی ایسی ایسی تعبیریں کی ہیں جو اُن کے ٹیڑھے عقیدے اور ٹیڑھے مذہب کی توجیہہ پر پوری اُترتی ہیں۔ یہ لوگ اِس آیت کے اِس حصے کہ: وَلَٰكِنَّ ٱللَّهَ يَجۡتَبِي مِن رُّسُلِهِۦ مَن يَشَآءُۖ کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہاں بعض پیغمبر عدم علم غیب سے مستثنٰی قرار دیئے گئے ہیں۔ اس استثناء سے استدلال کرتے ہوئے وہ پیغمبروں کے لئے علم غیب ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ ان انبیاء کو مکمل علم غیب دیا گیا ہے اور بعض دوسرے پھر کہتے ہیں کہ نہیں یہ علم غیب اضافی (Relative) ہے۔ اِن کی یہ غلط تعبیر چند اشکالات کا نتیجہ ہے:

- اُنہوں نے اِس آیت کی بحث کے اصل موضوع کو نظر انداز کیا ہے اور یوں آیت کے آخری ٹکڑے سے ایسا مطلب نکال رہے ہیں جو اِسی آیت کے پہلے والے حصے سے کوئی مناسبت نہیں رکھتا۔ آیت اِس طرح شروع ہوتی ہے: مَّا كَانَ ٱللَّهُ لِيَذَرَ ٱلۡمُؤۡمِنِينَ عَلَىٰ مَآ أَنتُمۡ عَلَيۡهِ حَتَّىٰ يَمِيزَ ٱلۡخَبِيثَ مِنَ ٱلطَّيِّبِۗ: اللہ تعالیٰ ایسا نہیں ہے کہ مومنوں کو اِس موجودہ حالت میں رہنے دے اور ناپاک کو پاک سے الگ نہ کر دے۔ یعنی اللہ کی سنت یہ نہیں ہے کہ مومنوں کو اچھے بُرے اور پاک وناپاک، کے درمیان تمیز کئے بغیر اور علیٰحدہ کئے بغیر اِسی طرح آپس میں گڈ مڈ رہنے دے۔ وہ لازماً ایسے حالات پیدا کرے گا کہ یہ دونوں گروہ آپس میں الگ ہو جائیں۔ پھر فرماتا ہے:

وَمَا كَانَ ٱللَّهُ لِيُطۡلِعَكُمۡ عَلَى ٱلۡغَيۡبِ: اور اللہ ایسا نہیں ہے کہ تمہیں غیب پر مطلع کرے۔ یعنی اچھے اور بُرے اور پاک وناپاک کے درمیان تمیز کرنے اور اُنہیں ایک دوسرے سے علیٰحدہ کرنے کا طریقہ یہ نہیں ہے کہ تمہیں غیب سے اطلاع دے اور تم علم غیب کے ذریعے یہ جان جاؤ اور ادراک کر پاؤ کہ کون خبیث ہے اور کون طیب۔ اِس کے متصلاً بعد فرماتا ہے: وَلَٰكِنَّ ٱللَّهَ يَجۡتَبِي مِن رُّسُلِهِۦ مَن يَشَآءُۖ فَـَٔامِنُواْ بِٱللَّهِ وَرُسُلِهِۦۚ وَإِن تُؤۡمِنُواْ وَتَتَّقُواْ فَلَكُمۡ أَجۡرٌ عَظِيمٌ: مگر اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبروں میں سے جسے چاہے اُسے چن لیتا ہے، تو اللہ اور اُس کے پیغمبروں پر ایمان لاؤ، اگر ایمان لے آئے اور تقویٰ کیا تو تمہارے لئے عظیم اجر ہے۔

یعنی پاک وناپاک، خالص وناخالص، مخلص اور نا مخلص کے درمیان تمیز و تفریق اور الگ الگ کرنا پیغمبروں کو منتخب کر کے لوگوں کی طرف بھیجنے کے ذریعے انجام پاتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام کی بعثت کے ذریعے لوگ دو گروہوں میں

بانٹ دیئے جاتے ہیں اور پاک ناپاکوں سے الگ کر دیئے جاتے ہیں۔ تم اللہ اور رسولوں پر ایمان، اُن کی اطاعت اور تقویٰ کے ذریعے پاکوں کے گروہ میں شامل ہوتے ہو اور اجرِ عظیم کے مستحق قرار پاتے ہو۔

اس آیت میں صرف اُن لوگوں کو کوئی ابہام اور اغماض نظر آ سکتا ہے جو بیمار دلوں کے مالک ہوں اور اِسے ٹیڑھے زاویئے سے دیکھتے ہوں۔ تعجب ہے کہ بجائے اِس کے کہ اِس آیت کو اپنی ٹیڑھی سوچ اور باطل افکار کی تصحیح اور درستگی کے لئے استعمال کیا جائے اور یہ کہہ دیا جائے کہ اللہ کے علاوہ غیب پر عالم کوئی نہیں ہے؛ اُنہیں اِس میں انبیاءؑ کی ایک معتد بہ تعداد کے لئے علمِ غیب کے اثبات کی دلیل نظر آتی ہے؟ اِن کو یہ بھی سمجھ نہیں آتی کہ اِس طرح کی تعبیروں سے یہ ہر مخاطب کو شک میں ڈال رہے ہیں کہ گویا قرآنِ کریم میں ایک گونہ تناقص بھی پایا جاتا ہے۔ وہ یہ کہ اِس کی بعض آیات بڑی صراحت اور قطعیت کے ساتھ اعلان کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی علمِ غیب نہیں جانتا مگر بعض دوسری آیات میں ایسے اشارے پائے جاتے ہیں جو مخاطب کو یہ تاثر دیتے ہیں کہ گویا اللہ تعالیٰ کے علاوہ بھی علمِ غیب پایا جا سکتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ کلامِ الٰہی اِس عیب سے پاک اور منزہ ہے، نہ صرف یہ کہ اِس میں کوئی تناقض نہیں ہے بلکہ اِس کی آیات سب ایک دوسری کی موئید، ہم آہنگ اور ایک دوسری کی شرح اور تفسیر ہیں۔ جو کوئی بھی کسی آیت سے ایسی تعبیر مراد لے یا ایسا انتباہ اخذ کرے جو کسی دوسری آیت کے ساتھ متناقض اور نامتناسب ہو تو وہ کج فہمی میں پڑ گیا ہے اور قرآن کریم میں تناقض پیدا کرنے کی غلطی کر بیٹھا ہے۔

قرآنِ کریم میں اُن آیات کی تعداد کافی زیادہ ہے جو نہایت قاطع اور دوٹوک الفاظ میں ماسوائے اللہ کے علمِ غیب کی نفی کرتی ہیں اور کہتی ہیں کہ سوائے اللہ کے نہ زمین میں کوئی ایسا ہے اور نہ آسمانوں میں جو علمِ غیب رکھتا ہو۔ چاہے وہ فرشتہ ہو، جن ہو یا انسان اور چاہے وہ عام انسان ہو یا ایک جلیل القدر پیغمبر۔ قرآن کے متعدد قصوں میں بھی اِس بات کے اثبات کی مثالیں پیش کی گئی ہیں۔ اِن کی چند مثالیں درج ذیل ہیں:

- ابراہیم علیہ السلام کے پاس چند فرشتے جوانوں کی شکل میں حاضر ہوئے، آپؑ نے نہیں پہچانے، اُن پر مہمانوں کا گمان کیا اور بھنا ہوا گوشت سامنے لا کر رکھ دیا۔ جب اُنہوں نے اپنا تعارف کیا تو پھر یہ سمجھنے سے عاجز رہے کہ وہ مامور کس کام پر کئے گئے ہیں لہٰذا پوچھنے کی ضرورت پڑ گئی۔ اور جب اُنہوں نے بتا دیا کہ لوط علیہ السلام کی بستی مٹانے آئے ہیں تو یہ سن کر پھر پریشان ہو گئے کہ پتہ نہیں خود لوط علیہ السلام کے بارے میں کیا فیصلہ ہوا ہو گا۔ اِسی طرح جب فرشتوں نے بیٹے کی خوشخبری دی تو نہ تو آپؑ کو یقین آیا اور نہ ہی آپؑ کی بیوی کو؛ حتّٰی کہ فرشتوں نے کہا کہ: کیا اپنے رب کے وعدے پر یقین نہیں رکھتے؟

- یہی فرشتے لوط علیہ السلام کے پاس آئے تو اُنہوں نے بھی نہ پہچانے اور مہمان سمجھ کر اُن کے آنے سے پریشانی میں پڑ گئے۔ آپؑ کو یہ بھی علم نہیں تھا کہ یہ فرشتے آپؑ کی مدد کے لئے آئے ہیں، اُس وقت سمجھ گئے جب فرشتوں نے خود اپنا تعارف کرایا۔
- اسی سورۂ آلِ عمران میں آپ نے ملاحظہ کیا کہ زکریا علیہ السلام کو اِس بات کا پتہ نہیں تھا کہ آپؑ کے زیرِ پرورش مریمؑ کے لئے بغیر موسم کے پھل آتے ہیں۔ اِسی طرح یہ بھی اُمید نہیں رکھتا تھا کہ اِس بڑھاپے میں اللہ اُسے اولاد سے بھی نوازدے گا۔ مگر اِس منظر کو دیکھ کر دل میں اولاد کی اُمید جاگ اُٹھی اور جب فرشتوں نے بیٹے کی خوشخبری دی تو یہ سمجھ میں نہ آیا کہ کب اور کس طرح بیٹا پیدا ہو گا لہٰذا اللہ سے اِس کی نشانی مانگنے لگا۔
- اِسی سورت میں آپ نے دیکھ لیا کہ عیسیٰ علیہ السلام نہیں جانتے تھے کہ آپؑ کے ماننے والوں میں سے کون آپ کا ساتھ دے گا لہٰذا اُن سے پوچھا کہ: تم میں سے کون میرا ساتھ دینے پر تیار ہے؛ من انصاری الی اللہ ۔

قرآن اِن کی مانند متعدد دوسرے قصوں میں بھی اِس حقیقت کی نشان دہی کرتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام علمِ غیب نہیں رکھتے۔ تعجب ہے کہ کوئی اِن تمام آیات کو تو نظر انداز کرے اور اِس مبارک آیت کی ایسی تعبیر پیش کرے جو اِن سب کے ساتھ متصادم ہو۔

وَلَا يَحۡسَبَنَّ ٱلَّذِينَ يَبۡخَلُونَ بِمَآ ءَاتَىٰهُمُ ٱللَّهُ مِن فَضۡلِهِۦ هُوَ خَيۡرٗا لَّهُمۖ بَلۡ هُوَ شَرّٞ لَّهُمۡۖ سَيُطَوَّقُونَ مَا بَخِلُواْ بِهِۦ يَوۡمَ ٱلۡقِيَٰمَةِۗ وَلِلَّهِ مِيرَٰثُ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلۡأَرۡضِۗ وَٱللَّهُ بِمَا تَعۡمَلُونَ خَبِيرٞ ﴿١٨٠﴾

(۱۸۰)۔ اور اللہ اپنے فضل سے جس کو کچھ دے دے مگر وہ اُس میں بخل کرے، تو وہ اِس خیال میں نہ رہے کہ یہ اُس کے لئے بہتر (فائدہ مند) ہے، نہیں! یہ اُس کے لئے نہایت بُری ہے۔ جس چیز میں وہ بخل کرتا تھا عنقریب وہ روزِ قیامت اُس کے گلے کا ہار بن جائے گا اور زمین و آسمانوں کی میراث تو اللہ کی ہے اور اللہ تمہارے اعمال سے باخبر ہے۔

---

(۱۸۰)۔ یہاں بخیل لوگوں کو مخاطب کر کے چند باتیں کہی گئی ہیں:

- چاہیے تو یہ تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور نوازش کا شکر بجالاتے اور جس طرح اللہ نے اُن پر فضل کیا وہ بھی اللہ کی راہ میں اُس میں سے انفاق کرتے جو اللہ نے اُن کو عطا کیا ہے۔
- اِس گمان میں نہ رہیں کہ بخل اُن کو کوئی فائدہ دے سکے گا۔
- یہ بخل روزِ قیامت اُن کے گلے کا ہار بن جائے گا۔
- وہ دنیا میں بھی سب کچھ اللہ کے میراث میں چھوڑ کر چلے جائیں گے اور یہ فیصلہ اللہ کرے گا کہ وہ اِن کے ترکے کا مالک کسے بناتا ہے۔
- اور اِن کا معاملہ اُس اللہ کے ساتھ ہے جو اِن کے تمام کئے کرائے پر خبر دار ہے۔

لَّقَدْ سَمِعَ ٱللَّهُ قَوْلَ ٱلَّذِينَ قَالُوٓاْ إِنَّ ٱللَّهَ فَقِيرٌ وَنَحْنُ أَغْنِيَآءُ ۘ سَنَكْتُبُ مَا قَالُواْ وَقَتْلَهُمُ ٱلْأَنۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَنَقُولُ ذُوقُواْ عَذَابَ ٱلْحَرِيقِ ﴿١٨١﴾ ذَٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيكُمْ وَأَنَّ ٱللَّهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ ﴿١٨٢﴾

(۱۸۱)۔ یقیناً اللہ نے اُن لوگوں کی بات سن لی ہے جو کہتے تھے: اللہ فقیر ہے اور ہم غنی ہیں۔ ہم لازماً وہ کچھ بھی لکھ لیں گے جو اِنہوں نے کہا ہے اور پیغمبروں کا ناحق قتل بھی؛ اور اِنہیں کہہ دیں گے: اب چکھو جلانے والی آگ کا عذاب۔ (۱۸۲) یہ اِس لئے کہ یہ تمہارے اپنے ہاتھوں کے پہلے ہی سے بھیجے گئے کرتوت ہیں اور اللہ تو بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے۔

(۱۸۱۔۱۸۲)۔ جب قرآن میں اللہ کی راہ میں قربانی کو اللہ کو قرض دینے سے تشبیہ دے کر کہا گیا کہ اللہ تمہاری دی گئی ہر قربانی کو اپنے ذمہ ایک قرض سمجھتا ہے اور وہ اُسے کئی گنا بڑھا کر لوٹائے گا۔ تو اِن بخیل لوگوں نے طنز و استہزا کے ساتھ کہنا شروع کیا کہ: کیا اللہ فقیر ہے اور ہم غنی ہیں جو ہم سے قرض مانگتا ہے؟ اِن کے جواب میں کہا گیا ہے کہ اللہ تمہاری یہ بات بھی لکھ رہا ہے اور پہلے گزرے ہوئے پیغمبروں کے ساتھ تمہارا کریہہ طرزِ عمل بھی۔ تم نے اِس سے پہلے بھی اِس وجہ سے انبیاؑء کی مخالفت کی اور اُن کے قتل پر کمربستہ ہوئے کہ وہ تمہیں اللہ کی راہ میں قربانی کے لئے بلاتے تھے۔ اور تمہارا بخل اور حرص اُن کی دعوت قبول کرنے کی اجازت نہیں دے رہی تھی۔

ٱلَّذِينَ قَالُوٓاْ إِنَّ ٱللَّهَ عَهِدَ إِلَيۡنَآ أَلَّا نُؤۡمِنَ لِرَسُولٍ حَتَّىٰ يَأۡتِيَنَا بِقُرۡبَانٖ تَأۡكُلُهُ ٱلنَّارُۗ قُلۡ قَدۡ جَآءَكُمۡ رُسُلٞ مِّن قَبۡلِي بِٱلۡبَيِّنَٰتِ وَبِٱلَّذِي قُلۡتُمۡ فَلِمَ قَتَلۡتُمُوهُمۡ إِن كُنتُمۡ صَٰدِقِينَ ﴿١٨٣﴾ فَإِن كَذَّبُوكَ فَقَدۡ كُذِّبَ رُسُلٞ مِّن قَبۡلِكَ جَآءُو بِٱلۡبَيِّنَٰتِ وَٱلزُّبُرِ وَٱلۡكِتَٰبِ ٱلۡمُنِيرِ ﴿١٨٤﴾

(۱۸۳)۔ وہ جو کہتے ہیں: ہمیں تو اللہ نے یہ حکم بھیجا ہے کہ اُس وقت تک کسی پیغمبر پر ایمان نہ لانا جب تک ایسی قربانی پیش نہ کرے جسے آگ بھسم کرے (سوختنی قربانی)، اِنہیں کہو: بے شک مجھ سے پہلے بھی تمہارے پاس پیغمبر آئے، واضح نشانیاں لے کر اور جو کچھ تم کہتے ہو وہ بھی، تو اگر سچے ہو تو تم نے اُنہیں کیوں قتل کیا؟ (۱۸۴) پس اگر اِنہوں نے تمہاری تکذیب کی ہے تو تم سے پہلے گزرے ہوئے انبیا ؑ کی بھی تکذیب کی گئی ہے، وہ جو واضح نشانیاں، روشن کتابیں اور صحیفے لائے تھے۔

(۱۸۳۔ ۱۸۴)۔ تم نے تو صرف میری مخالفت نہیں کی مجھ سے پہلے دوسرے پیغمبروں کی بھی مخالفت کی ہے۔ وہ تمہارے پاس واضح نشانیاں لائے تھے اور یہ جو نشانی تم مجھ سے مانگتے ہو یہ بھی؛ یعنی غیبی آگ کا آکر اُس چیز کو جلا دینا جو اللہ کے لئے وقف کی گئی ہو۔ اِن تمام معجزات کے ہوتے ہوئے تم نے پیغمبروں کی اُن کے قتل کی حد تک مخالفت کی ہے۔ اب ہم کس طرح تمہارے اِس دعوے کو سچ مان لیں کہ ایسے معجزوں کے آنے کے بعد تم ایمان لے آؤ گے؟

كُلُّ نَفۡسٖ ذَآئِقَةُ ٱلۡمَوۡتِۗ وَإِنَّمَا تُوَفَّوۡنَ أُجُورَكُمۡ يَوۡمَ ٱلۡقِيَٰمَةِۖ فَمَن زُحۡزِحَ عَنِ ٱلنَّارِ وَأُدۡخِلَ ٱلۡجَنَّةَ فَقَدۡ فَازَۗ وَمَا ٱلۡحَيَوٰةُ ٱلدُّنۡيَآ إِلَّا مَتَٰعُ ٱلۡغُرُورِ ﴿١٨٥﴾

(۱۸۵)۔ ہر نفس موت کا مزہ چکھنے والا ہے اور اصل بات یہی ہے کہ تم قیامت کے دن اپنا بدلہ مکمل طور پر حاصل کر لوگے۔ تو جو کوئی آگ سے بچا لیا گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا بے شک وہ کامیاب رہا اور دنیا کی یہ زندگی تو دھوکہ دینے والے متاع کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں۔

---

(۱۸۵)۔ یہ مبارک آیت چند اہم باتوں کی رہنمائی کرتی ہے:

- اگر تمہیں مارنے کی دھمکی دی گئی تو صبر کر لو۔ موت سے بچنے کا ویسے بھی کوئی چارہ نہیں ہر جان دار نے ضرور موت کا ذائقہ چکھنا ہے تو کیا یہ بہتر نہیں ہے کہ تمہاری موت اللہ کی راہ میں آئے؟ وہ موت جو ہر صورت اور لازماً اپنے مقررہ وقت پر آئے گی۔

- تمہارے اجر کے ضائع ہونے کا کوئی اندیشہ نہیں، تمہارا معاملہ اُس اللہ کے ساتھ ہے جس نے اعمال کا پورا اور مکمل بدلہ اپنے ذمے لیا ہوا ہے۔
- اِنہی نیک اعمال کی وجہ سے تم دوزخ سے بچائے جاتے ہو، اصل کامیابی تو اُس کی ہے جو دوزخ سے بچایا جائے اور جنت میں داخل کیا جائے۔
- یہ دنیوی زندگی تو جنت کے مقابلے میں صرف ایک سراب (دھوکے میں ڈالنے والی متاع) ہے، یہ متاع تمہیں آخرت سے غافل نہ کرنے پائے۔

لَتُبْلَوُنَّ فِيٓ أَمْوَٰلِكُمْ وَأَنفُسِكُمْ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ ٱلَّذِينَ أُوتُوا۟ ٱلْكِتَٰبَ مِن قَبْلِكُمْ وَمِنَ ٱلَّذِينَ أَشْرَكُوٓا۟ أَذًى كَثِيرًا ۚ وَإِن تَصْبِرُوا۟ وَتَتَّقُوا۟ فَإِنَّ ذَٰلِكَ مِنْ عَزْمِ ٱلْأُمُورِ ﴿۱۸۶﴾

(۱۸۶)۔ تم لازماً اپنے مال اور اپنی جانوں کے ذریعے آزمائے جاؤ گے اور لازماً اُن لوگوں سے جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی ہے اور وہ جو مشرک ہوئے ہیں، بڑی اذیت ناک باتیں سنو گے؛ تو اگر صبر اور تقویٰ سے کام لو تو یہ عزیمت کے کام ہیں۔

---

(۱۸۶)۔ تمہیں اللہ کی راہ میں کبھی مال کی قربانی کے لئے بلایا جائے گا اور کبھی جان کی۔ کبھی دین کے لبادے میں دین کے دشمن تمہارا مقابلہ کریں گے اور کبھی مشرکین۔ اِن سے بھی اذیت دینے والی باتیں سننی پڑیں گی اور اُن سے بھی، تھوڑی بھی نہیں بلکہ بہت زیادہ۔ مگر حوصلہ بلند رکھو، اللہ کی رضا مفت میں نہیں ملتی، یہ گوہر متلاطم دریا کی غواصی اور بپھری ہوئی موجوں کے ساتھ کھیلنے کے بعد ملتا ہے۔ یہ الماس آسمان سے باتیں کرنے والے پہاڑوں کی چوٹیوں پر ملتا ہے اور اِسے پانے کے لئے وہاں پہنچنا پڑتا ہے۔ تمہیں پُرپیچ، اونچی نیچی گھاٹیوں سے گزرنا ہو گا، دل تھام لو، قدم جما کر رکھو اور قربانی کے لئے اور مخالفتوں کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ تمہیں بڑے پُرپیچ مقامات سے گزرنا ہے؛ اگر ہمت سے کام لو گے، راستے میں ستانے، پسپائی اختیار کرنے اور دائیں بائیں انحراف کرنے سے بچتے رہو گے اور اِن آزمائشوں کو کامیابی کے ساتھ عبور کر لو گے تو اللہ کے پاس جا پہنچو گے اور اُس کی رضا حاصل کر لو گے۔

وَإِذْ أَخَذَ ٱللَّهُ مِيثَٰقَ ٱلَّذِينَ أُوتُوا۟ ٱلْكِتَٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهُۥ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُونَهُۥ فَنَبَذُوهُ وَرَآءَ ظُهُورِهِمْ وَٱشْتَرَوْا۟ بِهِۦ ثَمَنًا قَلِيلًا ۖ فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُونَ ﴿۱۸۷﴾

(۱۸۷)۔ اور جب اللہ نے اہلِ کتاب سے وعدہ لیا کہ ضرور بالضرور (اس کتاب کو) لوگوں سے بیان کروگے اور چھپاؤ گے نہیں، تو اُنہوں نے اِسے پسِ پشت ڈال دیا اور اِسے نہایت سستا بیچ دیا، کتنا بُرا سودا ہے جو یہ کرتے ہیں۔

(۱۸۷)۔ جس کسی کو اللہ تعالیٰ نے کتاب اور کتاب کا علم دیا ہے تو اُس سے یہ وعدہ لیا ہے کہ یہ کتاب لوگوں کو پہنچاؤ گے۔ اِس میں دی گئی ہدایات لوگوں سے بیان کروگے اور اِس میں سے کوئی چیز نہیں چھپاؤ گے۔ مگر اہلِ کتاب کے دین فروش علماء نے اللہ کی کتاب کو پسِ پشت ڈال دیا، اپنا وعدہ بھی بھلا دیا اور دین کو دنیا کے عوض بیچ بھی ڈالا؛ وہ بھی نہایت سستا اور ایک ناچیز قیمت کے عوض۔ اُنہوں نے حق کو چھپا کر ظالموں کے مفاد میں فتوے دیئے اور لوگوں کو دین سے بے خبر چھوڑ دیا۔

لَا تَحْسَبَنَّ ٱلَّذِينَ يَفْرَحُونَ بِمَآ أَتَواْ وَّيُحِبُّونَ أَن يُحْمَدُواْ بِمَا لَمْ يَفْعَلُواْ فَلَا تَحْسَبَنَّهُم بِمَفَازَةٍ مِّنَ ٱلْعَذَابِ ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿١٨٨﴾

(۱۸۸)۔ گمان نہ کرو، کہ وہ لوگ جو اپنے کیے پر خوش ہو رہے ہیں اور پسند کرتے ہیں کہ ناکردہ کاموں پر اُن کی ستائش کی جائے، پس وہ عذاب سے بَری نہیں ہیں اور اُن کے لئے دردناک عذاب ہے۔

(۱۸۸)۔ جو لوگ حق بات بیان کرنے سے پہلو تہی کرتے ہیں، کتمانِ حق کے مرتکب ہوتے ہیں، ظالم کا ساتھ دیتے ہیں، باطل کے ساتھ بنا کر رکھنے کا راستہ اپناتے ہیں اور اِس کام پر فخر بھی کرتے ہیں اور اپنے اِس طرزِ عمل کو ہوشیاری اور عقلمندی کی نشانی سمجھ کر خوش ہوتے ہیں۔ ظالموں کی حمایت حاصل کرنا اور اُن کی دھمکیوں سے محفوظ رہ جانا اپنا کمال اور ہنر سمجھتے ہیں یا یہ امید رکھتے ہیں کہ حق کو بیان کرنے سے مجتنب رہ جانے پر، ظلم اور فساد کا مقابلہ نہ کرنے کا کمال دکھانے پر؛ لوگ اُن کو ملامت کرنے کے بجائے اُن کی تحسین کریں گے۔ اور یا یہ کہ یوں وہ ظالموں اور مفسدوں کی خوشنودی کے مُستحق قرار پائیں گے اور اُن سے شاباش حاصل کریں گے؛ تو یہ گمان نہ کرو کہ اُنہیں اللہ کے عذاب سے بچا لیا جائے گا۔ قطعاً نہیں؛ ایک دردناک الٰہی عذاب اُن کا انتظار کر رہا ہے۔

وَلِلَّهِ مُلْكُ ٱلسَّمَـٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ ۗ وَٱللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَىْءٍ قَدِيرٌ ﴿١٨٩﴾

(۱۸۹)۔ اور آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اللہ کے لئے ہے اور اللہ ہر کام پر خوب قادر ہے۔

(۱۸۹)۔اِس حال میں کہ زمین اور آسمان کا مختارِ کل مالک اللہ تعالیٰ ہے، یہاں حکم صرف اُسی کا چلتا ہے، فیصلے اُسی کی طرف سے صادر ہوتے ہیں، انجام صرف وہی نکل سکتا ہے جس کی وہ اجازت دے تو پھر تم کیوں اُس کے علاوہ کسی دوسرے سے اُمید اور خوف رکھتے ہو؟ کس لالچ اور خوف کی بدولت کبھی حق کو چھپاتے ہو اور کبھی باطل کے سامنے جھک کر نبھانے کی کوشش کرتے ہو؟ کیااِس پر یقین نہیں رکھتے کہ اللہ سب کچھ کرنے پر قادر ہے اور وہ تمہیں ظالموں سے محفوظ بھی رکھ سکتا ہے اور سزا بھی دے سکتا ہے۔

إِنَّ فِي خَلْقِ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ وَٱخْتِلَٰفِ ٱلَّيْلِ وَٱلنَّهَارِ لَءَايَٰتٍ لِّأُو۟لِى ٱلْأَلْبَٰبِ ﴿١٩٠﴾ ٱلَّذِينَ يَذْكُرُونَ ٱللَّهَ قِيَٰمًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِى خَلْقِ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَٰذَا بَٰطِلًا سُبْحَٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ ٱلنَّارِ ﴿١٩١﴾ رَبَّنَآ إِنَّكَ مَن تُدْخِلِ ٱلنَّارَ فَقَدْ أَخْزَيْتَهُۥ ۖ وَمَا لِلظَّٰلِمِينَ مِنْ أَنصَارٍ ﴿١٩٢﴾ رَّبَّنَآ إِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُنَادِى لِلْإِيمَٰنِ أَنْ ءَامِنُوا۟ بِرَبِّكُمْ فَـَٔامَنَّا ۚ رَبَّنَا فَٱغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّـَٔاتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ ٱلْأَبْرَارِ ﴿١٩٣﴾ رَبَّنَا وَءَاتِنَا مَا وَعَدتَّنَا عَلَىٰ رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ ٱلْقِيَٰمَةِ ۗ إِنَّكَ لَا تُخْلِفُ ٱلْمِيعَادَ ﴿١٩٤﴾

(۱۹۰)۔یقیناً آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اور رات اور دن کے آنے جانے میں عقلمندوں کے لئے نشانیاں ہیں۔(۱۹۱)وہ (لوگ)جو اللہ کو کھڑے، بیٹھے ہوئے اور پہلو کے بل لیٹے ہوئے یاد کرتے ہیں اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں غور کرتے ہیں، کہ اے ہمارے رب!اِنہیں تونے یونہی پیدا نہیں فرمایا، پاکی ہے تیرے لئے، تُو ہمیں آگ کے عذاب سے بچالے۔(۱۹۲) اے ہمارے رب!بے شک تُونے جسے آگ میں داخل کیا اُسے تونے رسوا کیا اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ہے۔(۱۹۳)اے ہمارے رب!ایک پکارنے والے کو ہم نے سنا جو ایمان کی طرف یہ دعوت دے رہا تھا کہ اپنے رب پر ایمان لاؤ، تو ہم ایمان لائے، اے ہمارے رب!پس ہمارے گناہ معاف فرما اور ہماری سیئات ہم سے دور فرما اور ہمیں نیک لوگوں کے ساتھ موت دے دے۔(۱۹۴)اے ہمارے رب!ہمیں وہ کچھ عطا فرما جس کا وعدہ پیغمبروں کے ذریعے تونے ہم سے کر رکھا ہے اور قیامت کے دن رسوائی سے بچالے، بے شک تو اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔

(۱۹۰۔۱۹۴)۔ ان مبارک آیات کی عظمت اور اہمیت واضح کرنے کے لئے یہی کہنا کافی ہے کہ پیغمبر علیہ السلام ہر رات تہجد کی نماز سے قبل سورۂ آلِ عمران کی یہ آخری دس آیات تلاوت کیا کرتے تھے۔ اِس سے نہ صرف اِن کی اہمیت واضح ہوتی ہے بلکہ یہ بھی پتہ چلتاہے کہ یہ دس آیات ایک مکمل مضمون اپنے اندر رکھتی ہیں۔

درج بالا آیات میں چند اساسی باتیں اپنی طرف ہماری توجہ مبذول کراتی ہیں:

- جو کوئی عقلِ سلیم کا مالک ہو اُسے آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور دن رات کے آنے جانے میں بہت سارے حقائق کی طرف اشارہ کرنے والی کھلی نشانیاں نظر آتی ہیں۔
- مگر یہ نشانیاں صرف اُن عقل والوں کو نظر آتی ہیں جنہیں اُٹھتے بیٹھتے ہر وقت اللہ یاد رہتا ہے۔ خدا سے غافل دل اِن حقائق کو سمجھنے کی اہلیت اور قابلیت نہیں رکھتے۔
- وہ نہ صرف اللہ پر یقین رکھتے ہیں اور ہمیشہ اللہ کو یاد کرتے رہتے ہیں بلکہ آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں غور و فکر بھی کرتے ہیں۔ اُن کا اللہ پر یقین بھی اِسی غور و فکر سے پھوٹتا ہے اور اللہ کی یاد اور ذکر کی آبیاری بھی اِسی سے ہوتی ہے۔ زمین و آسمان کی ہر چیز اُن کو اللہ کی یاد دلاتی رہتی ہے اور اُن کو ہر چیز میں اللہ کی قدرت کی نشانیاں نظر آتی ہیں۔
- زمین و آسمان میں اُن کے غور و فکر کا حاصل اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ: اللہ نے کوئی چیز یونہی اور عبث پیدا نہیں فرمائی بلکہ ہر چیز کو بڑے حکیمانہ اندازے سے پیدا فرمایا ہے۔ اللہ کو اِس عیب سے منزہ اور بالاتر سمجھتے ہیں کہ کسی چیز کو عبث اور بے فائدہ پیدا فرمائے۔
- یہ احساس اور اِس غور و تفکر کا یہ نتیجہ اُن میں یہ یقین پیدا کرتا ہے کہ اللہ اپنے بندوں کے ساتھ ضرور حساب کتاب فرمائے گا اور حد سے گزرنے والوں کو لازماً سزا دے گا۔ یہ اِس لئے کہ عدم محاسبہ اور عدم مجازات کا معنٰی تو یہ ہے کہ یہ زمین اور آسمان عبث اور فضول پیدا کئے گئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ عقلمندوں کی پہلی دعا یہی ہوتی ہے کہ اے اللہ ہمیں آگ کے عذاب سے محفوظ رکھ۔
- عقلمند یہ جان لیتے ہیں کہ اللہ کا انکار کرنے والے ظالموں کو اللہ کے عذاب سے کوئی نہیں بچا سکتا۔
- عقلمند اُس منادی کی نداء سنتے ہیں جو اُن کو اللہ کی طرف بلاتا ہے۔ تاہم یہ کہ یہ منادی کون ہے؟ اُنہوں نے کس منادی کی آواز پر لبیک کہا ہے؟ پیغمبر، کوئی داعی، اپنا ضمیر اور عقل یا کوئی اور منادی؟ اِن میں سے کوئی بھی، ہو سکتا ہے کہ اُن کا منادی ہو مگر آیت کے سیاق و سباق سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ وہی منادی ہے جس کی طرف مضمون کی ابتدا میں اشارہ کیا

گیا ہے یعنی آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور دن رات کے آنے جانے میں موجود نشانیاں۔ یہ منادی اُن کو اپنے رب پر ایمان لانے کے لئے بلاتا ہے، اِس منادی کی دعوت پر اُنہوں نے لبیک کہا ہے اور اُس (کی ندا) پر ایمان لائے ہیں۔

- ایمان لانے کے بعد اُس نے اپنے رب سے پانچ بنیادی باتوں کی درخواست کی ہے: ہمارے گناہ معاف فرما، ہماری بُری عادات اور بُرے اخلاق کی اصلاح فرما، ہمیں یہ توفیق عطا فرما کہ ہماری موت اَبرار اور نیک لوگوں کی موت ہو، تو نے پیغمبروں کی زبانی جو وعدے ہمارے ساتھ کئے ہیں اُنہیں پورے فرما اور قیامت کے دن رسوائی سے ہماری حفاظت فرما۔ اس بات کی طرف توجہ رہنی چاہیے کہ ''تغفیرِ ذنوب'' اور ''تکفیرِ سیئات'' کا الگ الگ مطلب ہے۔ اِن میں سے ایک گناہوں کی مغفرت اور دوسرا بُرے اخلاق وعادات کی اصلاح کو بیان کرتا ہے۔ اگلی آیت ہمیں بتائے گی کہ اِن دعاؤں کی قبولیت کے لئے اللہ تعالیٰ نے کون کون سی شرائط رکھی ہیں اور یہ دعائیں کس صورت میں پوری ہوں گی۔

فَٱسۡتَجَابَ لَهُمۡ رَبُّهُمۡ أَنِّي لَآ أُضِيعُ عَمَلَ عَٰمِلٖ مِّنكُم مِّن ذَكَرٍ أَوۡ أُنثَىٰۖ بَعۡضُكُم مِّنۢ بَعۡضٖۖ فَٱلَّذِينَ هَاجَرُواْ وَأُخۡرِجُواْ مِن دِيَٰرِهِمۡ وَأُوذُواْ فِي سَبِيلِي وَقَٰتَلُواْ وَقُتِلُواْ لَأُكَفِّرَنَّ عَنۡهُمۡ سَيِّـَٔاتِهِمۡ وَلَأُدۡخِلَنَّهُمۡ جَنَّٰتٖ تَجۡرِي مِن تَحۡتِهَا ٱلۡأَنۡهَٰرُ ثَوَابٗا مِّنۡ عِندِ ٱللَّهِۚ وَٱللَّهُ عِندَهُۥ حُسۡنُ ٱلثَّوَابِ ﴿١٩٥﴾

(۱۹۵)۔ تو اللہ نے جواب میں فرمایا کہ: میں کسی عمل کرنے والے کا عمل ضائع نہیں کرتا، چاہے مرد ہو یا عورت، تم سب ایک دوسرے کے ساتھ ہو۔ تو وہ جنہوں نے ہجرت کی، اپنے گھر بار سے نکالے گئے، میری راہ میں ستائے گئے، دشمنوں سے لڑے (قتال کیا) اور مارے گئے، تو میں ضرور اُن کی سیئات محو کردوں گا اور اُن کو حتماً اُن جنتوں میں داخل کردوں گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، یہ اللہ کی طرف سے ایک بدلہ ہے۔ اور اللہ کے ہاں تو خوب صورت بدلہ ہے۔

---

(۱۹۵)۔ ملاحظہ کریں کہ اللہ تعالیٰ اُن کی دُعاؤں کی قبولیت کس چیز سے مشروط کرتا ہے؟ وہ کون کون سے کام ہیں جن کے کرنے سے وہ ابرار کا مقام حاصل کرسکتے ہیں اور وہ جنت میں داخل ہوسکتے ہیں۔ اُنہوں نے پانچ باتوں کی درخواست پیش کی تھی اور اللہ تعالیٰ اُن کے آگے درج ذیل پانچ شرائط رکھتا ہے:

- ہجرت۔

- ظالموں اور کافروں کے ہاتھوں اپنے گھر بار سے نکالا جانا۔
- اللہ کی راہ میں ستایا جانا اور مشکلات سے دوچار ہونا۔
- اللہ کی راہ میں لڑنا۔
- شہادت۔

جو کوئی اِن کاموں پر تیار ہو جاتا ہے، اُن کے ساتھ اللہ دو وعدے کرتا ہے:

- اُن کی سیئات محو کرتا ہے۔
- اُن کو جنت میں داخل کرتا ہے۔

اگر یہ شرائط اور وہ پانچ درخواستیں ساتھ ساتھ رکھ لیں اور دیکھ لیں کہ اِن میں سے کون سی شرط کس دعا کے مقابل رکھی گئی ہے تو اِس کا نتیجہ یہ ہو گا:

- ہجرت گناہوں کی مغفرت کا ذریعہ ہے، پیغمبر علیہ السلام ایسا ہی فرماتے ہیں کہ ہجرت اُس سے قبل کئے گئے تمام گناہ محو کر دیتی ہے۔

عن عمر بن عاص قال قال رسول الله صلى الله عليه و سلم أما عملت يا عمرو أن الإ سلام يهدم ما كان قبله وأن الهجرة تهدم ما كان قبلها وأن الحج يهدم ما كان قبله: اے عمرو! کیا تمہیں علم نہیں ہے کہ اسلام وہ تمام (گناہ) جو اُس سے قبل ہو گئے ہوتے ہیں اُن کو مٹاتا ہے اور ہجرت وہ تمام جو اُس سے پہلے ہو چکے ہوتے ہیں اور حج وہ تمام جو اُس سے قبل ہو چکے ہوتے ہیں۔

- اپنے گھر بار سے اخراج اصلاح اور تربیت کا ذریعہ ہے۔
- اللہ کی راہ میں مشکلات برداشت کرنا ابرار کا مقام پانے کا ذریعہ ہے۔
- اللہ کی راہ میں لڑنا اُن الٰہی وعدوں کے پورا ہونے کا ضامن ہے جو اللہ نے پیغمبروں کی زبانی ہم سے کئے ہیں۔
- اور شہادت روزِ قیامت رسوائی سے بچنے کا۔

اِس آیت کی روشنی میں وہ اشخاص اور گروہ اپنا عقیدہ، ایمان، راہِ عمل اور اُخروی انجام دیکھ لیں جو باطل کے ساتھ صلح صفائی چاہتے ہیں اور کفر کے اقتدار کے تحت زندگی گزار رہے ہیں۔ وہ جن کی راہ عمل میں ہجرت، جہاد اور شہادت کے الفاظ نہیں پائے جاتے۔ وہ جو دشمن کا اقتدار قبول کرتے ہیں اور دشمن اُن کا وجود برداشت کرتا ہے۔ جن کو کفر کی طاقتوں

کے ساتھ لڑنے کا کوئی اشتیاق ہے اور نہ وہ اِن کے ساتھ لڑنے کی کوئی ضرورت محسوس کرتے ہیں؛ پس ایسے لوگوں کو نہ تو ابرار سمجھا جا سکتا ہے اور نہ جنت کا حقدار۔ یہ اُن لوگوں میں شامل نہیں ہیں جن کے ساتھ اللہ نے وہ دو وعدے کئے ہیں: ابرار کے مقام پر فائز کرنے کا اور جنت میں داخل کرنے کا وعدہ۔

لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ ٱلَّذِينَ كَفَرُواْ فِي ٱلْبِلَٰدِ ﴿١٩٦﴾ مَتَٰعٌ قَلِيلٌ ثُمَّ مَأْوَىٰهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ ٱلْمِهَادُ ﴿١٩٧﴾

(۱۹۶)۔ اور کافروں کی شہروں میں چلت پھرت (سرگرمیاں) تمہیں کسی مغالطے میں نہ ڈال دیں۔(۱۹۷) یہ ایک ناچیز متاع ہے، پھر اِن کا مقام آگ کا ایک گڑھا ہے، کتنا بُرا ٹھکانا ہے وہ۔

(۱۹۶۔۱۹۷)۔ ایسا نہ ہو کہ شہروں میں کفری طاقتوں کا اقتدار اور سلطانی تمہیں کسی مغالطے میں ڈال دے۔ اِسے درخورِ اعتنا نہ سمجھو، اِس کا دورانیہ بہت مختصر ہے اور قیمت نہایت کم جبکہ انجام اِس کا دوزخ کی کھائی ہے۔ اِس چند روزہ اقتدار کو اِس زاویئے سے دیکھنا چاہیے؛ کہ جیسے ایک تاریک رات ہے جسے ہر قیمت پر ختم ہونا ہے اور سحر نے طلوع ہونا ہے۔

اِس آیت کا مطلب اُس وقت ٹھیک سمجھا جا سکتا ہے جب اِس سے ما قبل کی آیت خصوصاً اُس میں ہجرت اور اخراج کے الفاظ کو مستحضر رکھیں۔ اِنہی مہاجر اور گھر بار سے نکالے گئے لوگوں کو کہا گیا ہے کہ مبادا کفر کی طاقتوں کا شہروں پر یہ قبضہ اور اقتدار تمہیں غلط فہمی میں ڈال دے۔ اِن کی کوئی پرواہ نہ کرو اِن کی عمر مختصر ہے اور قیمت نہایت کم؛ اسے ایک تاریک رات سمجھو جو حتماً اپنا ایک اختتام رکھتی ہے اور اپنی جگہ روشنی کے لئے خالی کرتی دیتی ہے۔ اِن کے ظالمانہ اقتدار کی راتیں مختصر ہیں اور اِن کا انجام دنیا میں رسوائی اور آخرت میں دوزخ کی کھائی ہے۔ اِس چند روزہ اقتدار کو اِسی زاویئے سے دیکھنا چاہیے؛ ایسا نہ ہو کہ اِن کا اقتدار تمہیں پریشان کر کے اِن کے ساتھ صلح صفائی پر مائل کر دے۔

اِسے بھی ذہن میں رکھیں کہ اِس آیت کا تعلق اُس آیت سے بہت قریبی لگتا ہے جو مضمون کے شروع میں آیا ہے إِنَّ فِي خَلْقِ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ وَٱخْتِلَٰفِ ٱلَّيْلِ وَٱلنَّهَارِ لَءَايَٰتٍ لِّأُوْلِي ٱلْأَلْبَٰبِ: یقیناً آسمانوں اور زمین کی خلقت میں اور دن رات کے آنے جانے میں عقلمندوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں۔

لَٰكِنِ ٱلَّذِينَ ٱتَّقَوْا۟ رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنَّٰتٌ تَجْرِى مِن تَحْتِهَا ٱلْأَنْهَٰرُ خَٰلِدِينَ فِيهَا نُزُلًا مِّنْ عِندِ ٱللَّهِ ۗ وَمَا عِندَ ٱللَّهِ خَيْرٌ لِّلْأَبْرَارِ ﴿١٩٨﴾

(۱۹۸) مگر وہ جنہوں نے اپنے رب کا تقویٰ کیا، اُن کے لئے ایسی جنتیں ہیں جس کے نیچے نہریں بہتی ہیں، اُن میں ہمیشہ رہیں گے، اللہ کی طرف سے ایک ضیافت؛ اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ ابرار کے لئے کہیں بہتر ہے۔

---

(۱۹۸)۔ اللہ تعالیٰ متقیوں کو ابرار کے مقام تک اُٹھائے گا، تقویٰ کی وجہ سے وہ اپنے گھر بار سے محروم کیے گئے تھے، اُس کے عوض اللہ اُنہیں جنت دے گا، اللہ کی راہ میں اُنہوں نے چند روزہ زندگی کی قربانی دی تھی، اُس کے عوض اُنہیں ہمیشہ کی زندگی دے گا اور دنیا میں دھتکارے گئے تھے تو جنتوں میں اللہ کے مہمان ہوں گے۔ پس فرمایا گیا: وہ کیا ہے جو تم قربان کر دوگے تو اُس سے بہتر حاصل نہ کر پاؤ گے۔

وَإِنَّ مِنْ أَهْلِ ٱلْكِتَٰبِ لَمَن يُؤْمِنُ بِٱللَّهِ وَمَآ أُنزِلَ إِلَيْكُمْ وَمَآ أُنزِلَ إِلَيْهِمْ خَٰشِعِينَ لِلَّهِ لَا يَشْتَرُونَ بِـَٔايَٰتِ ٱللَّهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ۗ أُو۟لَٰٓئِكَ لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِندَ رَبِّهِمْ ۗ إِنَّ ٱللَّهَ سَرِيعُ ٱلْحِسَابِ ﴿١٩٩﴾

(۱۹۹)۔ اور اہلِ کتاب میں سے بعض وہ ہیں جو اللہ پر بھی ایمان لاتے ہیں اور اُس چیز پر بھی جو تم پر نازل ہوئی ہے اور جو اُن پر نازل ہوئی ہے؛ اللہ سے ڈرتے ہیں اور اللہ کی آیات ناچیز قیمت کے عوض نہیں بیچتے۔ اِن کے لئے اپنے رب کے پاس اِن کا اجر موجود ہے، بے شک اللہ جلدی حساب لینے والا ہے۔

---

(۱۹۹)۔ اہلِ کتاب میں اچھے لوگ بھی ہیں۔ یہ اچھے لوگ وہ ہیں جو درج ذیل صفات کے حامل ہیں:

- اللہ پر ایمان رکھتے ہیں۔
- متعصب نہیں ہیں، اللہ کی طرف سے نازل ہونے والی ہر کتاب پر ایمان رکھتے ہیں، چاہے خود اِن پر نازل ہوئی ہو یا اِن کے علاوہ کسی دوسرے پر۔
- اللہ کے خاشع ہیں / اللہ سے ڈرنے والے ہیں۔
- دین فروش نہیں ہیں اور دنیا کے عوض دین نہیں بیچتے۔

دین فروشی کو قرآن میں یہ جو بار بار اور بہت زیادہ اشارہ کیا گیا ہے اور جہاں کہیں بھی مذہبی پیشواؤں کے بارے میں بحث کی گئی ہے تو اِس موضوع کو لازماً چھیڑا گیا ہے؛ اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ دین کی دعوت کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ وہ دین فروش علماء ہیں جو دین کا لبادہ اوڑھ کر دین کے ساتھ دشمنی کرتے ہیں۔ جنہوں نے دین کو دکان بنایا ہوا ہے اور انتہائی ناچیز قیمت پر اُسے فروخت کر دیتے ہیں۔

يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ٱصْبِرُوا۟ وَصَابِرُوا۟ وَرَابِطُوا۟ وَٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿٢٠٠﴾

(۲۰۰)۔ اے ایمان والو! صبر کرو اور صابر رہو، اپنے رابطے مضبوط رکھو اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو تا کہ فلاح حاصل کر لو۔

---

(۲۰۰)۔ یہ مبارک آیت سورت کی آخری آیت اور سورت کے تمام مضامین کا خلاصہ ہے۔ یہاں تین باتوں کی وصّیت کی گئی ہے: صبر کرنے اور ہمیشہ صابر رہنے کی، اپنے رابطے مضبوط رکھنے کی اور اللہ سے تقویٰ کرنے کی اور یہی تین خصلتیں کامیابی کی عامل اور دنیا اور آخرت کی سعادت کی ضامن قرار دی گئی ہیں۔

اگر سورت کے مضامین پر غور کریں تو آپ دیکھ لیں گے کہ سورت کی ابتداء سے لے کر تیسویں آیت تک بحث کا موضوع اللہ کی کتاب، کتاب کی حقیقت اور کتاب پر ایمان کے تقاضے ہے۔ اکتیسویں آیت سے لے کر آیت نمبر سو تک بحث کا اصل موضوع انبیاء، پیغمبروں کی حقیقت اور اُن پر ایمان کے تقاضے ہے۔ ایک سو ایک نمبر آیت سے لے کر ایک سو اُنیس نمبر تک اللہ کے ساتھ تعلق، اللہ کی کتاب کے ساتھ تعلق اور مومنوں کے آپس میں تعلق پر بحث کی گئی ہے جبکہ آیت نمبر ایک سو بیس میں کہا گیا ہے کہ اگر صبر اور تقویٰ کی روش اپنا لو تو دشمن کی کوئی چال اور کوئی تدبیر تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکے گی۔ اِس کے بعد سورت کے آخر تک اِس بڑی بات کے اثبات کے لئے مثالیں اور عملی نمونے پیش کیے گئے ہیں؛ اُحد کی لڑائی پر تبصرہ، ابتدائی بالادستی اور بعد میں پسپائی کے عوامل کی طرف اشارہ بھی اِسی حقیقت کے اثبات کے لئے کیا گیا ہے اور بحث کے آخر میں متقین کی نیک عاقبت کا بیان ہے۔ آخر میں اہلِ کتاب کا ایک متقی گروہ (خاشعین لله) کے نام سے یاد کیا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ اُن کا اجر اللہ کے ہاں محفوظ ہے۔

اِس سے بڑی وضاحت کے ساتھ معلوم ہوتا ہے کہ اِس آخری آیت میں (یٰایها الذین ءامنوا اصبروا و صابروا) کا فقرہ سورت کے پہلے حصے اور اُن مضامین کا خلاصہ ہے جو آیت نمبر ایک سے آیت نمبر سو تک چھیڑے گئے ہیں۔

(رابطو) کا فقرہ دوسرے حصے اور اُن مضامین کا خلاصہ پیش کرتا ہے جو آیت نمبر ایک سو ایک (۱۰۱) سے آیت نمبر ایک سو اُنیس (۱۱۹) تک چھیڑے گئے ہیں اور (واتقوا اللہ لعلکم تفلحون) کا فقرہ اُن مضامین کا خلاصہ ہے جو تیسرے حصے میں آیت نمبر ایک سو بیس (۱۲۰) سے سورت کے آخر تک چھیڑے گئے ہیں۔

اگر اِس سورت کے تمام وسیع، گہرے اور باعظمت مضامین کا خلاصہ اِس آخری آیت کی روشنی میں پیش کرنا چاہیں تو اِس کوشش کا نتیجہ کچھ یوں ہو گا کہ: تم اللہ کی کتاب کی حقیقت سمجھ گئے، اُس پر ایمان لے آئے، اُس کے تقاضوں پر عمل کر لیا، اُس کی رہنمائیوں پر عمل کے دوران مسلسل صبر بھی کر لیا اور اللہ کے پیغمبروں کی حقیقت بھی جان لی۔ اُن پر ایمان لے آئے، اُن کے بارے میں غلط تصورات اور گمانوں سے اپنی حفاظت کر لی، اُن کی متابعت بھی کر لی اور اُن کی متابعت میں صبر سے کام بھی لیا۔ اب اگر اللہ کے ساتھ اپنا تعلق بھی مضبوط رکھ لو اور آپس میں وحدت اور یگانگت بھی استوار رکھ لو اور اللہ کا خوف دامن گیر رکھو، اُن چیزوں سے اجتناب کرو جن سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے تو مطمئن رہو کہ دنیا کی کامیابی اور آخرت کی فلاح و سعادت تمہارے حصے میں آنے والی ہے۔

سبحانك اللهم و بحمدك أشهدُ أن لا اله الا أنت استغفرك و اتوب اليك